و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

★ [illegible]
مولانا امین احسن اصلاحی

★ مدیر مسؤل
اسرار احمد

[illegible] ۱۵	مئی ۱۹۶۸ء	عدد ۵

فہرست

تذکرہ و تبصرہ ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق — اسرار احمد ۱

[illegible] ★ دلائل النظام مولانا امین احسن اصلاحی ۲۲

تدبر قرآن ★ تفسیر سورۃ مائدہ (۷) — ,, ,, ,, ۲۵

مقالات ★ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (۳)
پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۳۷

[illegible] ★ ذات پات کی تمیز کا سدباب ادارہ تعمیر خودی ۴۵

★

یکے از مطبوعات
دار الاشاعت الاسلامیہ
[illegible] روڈ ، کرشن نگر ، لاہور (فون 69522)
قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15	MAY 1968	No. 5

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ۔ ایم اے ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

- ضخامت ۲۰۰ صفحات • سائز بڑا • طباعت آفسٹ • مجلد مع گرد پوش
- قیمت ۴ روپیہ علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ
[illegible] کرشن نگر لاہور

طابع : محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاہور   پبلشر : محی الدین

قواعد و ضوابط

★

★ "میثاق" ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔

★ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہو جانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

★ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔

★ پرچہ صرف بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔

★ کمیشن ۲۵ فی صد — ★ محصول ڈاک بذمہ میثاق۔

★ قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے

★ سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے

★ مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے

نرخ نامہ اشتہارات

★ ٹائٹل کا آخری صفحہ "7 x 5" ۱۲۵ روپے

★ ٹائٹل کے اندرونی صفحات "8½ x 5" ۱۰۰ روپے

(ان کے لئے بلاک مہیا کیجئے ورنہ ٹائپ کی طباعت ہوگی)

★ اندرونی صفحات — فی صفحہ ۷۵ روپے — نصف صفحہ ۴۰ روپے

★ بیک وقت چار یا اس سے زائد اشاعتوں میں اشتہار کے آرڈر پر ۲۵% رعایت

★

ہندوستان کے خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کر کے ہمیں مطلع فرماویں:

۱۔ دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

۲۔ دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو چکا ہے — آئندہ کے لئے

★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں — یا

★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ——— ورنہ

★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصول ڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

تذکرہ و تبصرہ

اسرار احمد

مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق

> یہ ایک تقریر ہے جو اولاً جنوری ۶۸ء میں مسلسل دو جمعوں میں مسجد خضراء سمن آباد، لاہور میں کی گئی۔ پھر اسی ماہ شہر قصور کی ایک جامع مسجد میں خطاب کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی یہی مضامین کسی قدر اختصار کے ساتھ بیان ہوئے۔ پھر فروری ۶۸ء میں اسلامیہ کالج، صادق آباد، تعمیرِ ملت ہائی سکول، سکھر اور گورنمنٹ کالج، جھنگ کی مجلس معارفِ اسلامی کے افتتاحی اجلاس میں اسی مضمون پر مشتمل تقاریر کی گئیں ——— مقصد واحد یہ ہے کہ مسلمانوں کو "رجوع الی القرآن" کی دعوت دی جائے ———
>
> اب حسب وعدہ اسے "میثاق" میں شائع کیا جا رہا ہے اور عنقریب اسے ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز! — اسرار احمد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ!

برادران دین ———!

آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر "نزولِ قرآن مجید کا چودہ سو سالہ جشن" منایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینے کی ہیں:۔

ایک یہ کہ اس قسم کی نئی نئی تقریبات کی ایجاد و ترویج ہمارے دین کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی۔ ہمیں اپنے تمام دینی جذبات کے اظہار کے لیے صرف ان تقریبات پر اکتفا و قناعت کرنا چاہیے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور چلی آ رہی ہیں۔ ان میں نت نئے اضافوں سے دین

میں بدعت کا دروازہ کھلتا ہے جس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ:

وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

سب سے بُرے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے ایجاد کر لیے جائیں۔ ایسا ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔

موجودہ سلسلۂ تقریبات کے ساتھ لفظ "جشن" بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے ذہن خواہی نخواہی جشنوں کے اس سلسلے کے جانب منتقل ہو جاتا ہے جو خیبر سے کراچی تک مختلف علاقائی ناموں سے منائے جا رہے ہیں اور جن میں اس نام نہاد ثقافت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات پر ایک کھلا طنز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الحاد پسند اور اباحیت پرست لوگوں کے لیے اس قسم کے بے شمار جشنوں کے اہتمام کے ساتھ جشنِ نزولِ قرآن مجید کا انعقاد غالباً ایک رشوت ہے جو مذہبی ذوق رکھنے والے لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ واللہ اعلم!

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کی تقریبات سے اگر یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ ان کے ذریعے عوام میں دین و مذہب سے لگاؤ پیدا ہو، قرآن حکیم کے ساتھ ان کا ربط و تعلق بڑھے اور اس بُعد میں کمی ہو جو آج ہمارے اور قرآن مجید کے مابین پیدا ہو گیا ہے تو پھر بھی ان کے انعقاد کے جواز کا کوئی پہلو شاید پیدا کیا جا سکے۔ لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس قسم کا کوئی فائدہ اس نوعیت کی تقاریب سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کی تزئین و آرائش سے تو بہرحال اس قسم کے کسی فائدے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کانفرنسیں یا جلسے قرآن مجید کے نام پر منعقد ہوتے ہیں ان میں بھی اکثر سارا زور قرآن مجید کے مقام و مرتبے کی وضاحت یا اس کی 'شان' کے بیان پر صرف کر دیا جاتا ہے اور اس بات کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے کہ ہم پر بحیثیت مسلمان قرآن مجید کے کیا کیا حقوق عاید ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی کی کیا صورت ممکن ہے؛ حالانکہ جہاں تک قرآن مجید کے مقام و مرتبے اور شان و عظمت کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس کا بیان تو کجا ادراک بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ؎

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری!

قرآن حکیم کے اصل مقام و مرتبہ کا علم صرف اس بادشاہِ ارض و سماوات کو ہے جس کا یہ کلام ہے اور اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ صرف وہ ذاتِ بابرکت ہے جس پر یہ نازل ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۱؎

—— ہمارا اصل کام یہ ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ پہلے یہ سمجھیں کہ اس کتابِ مبارک کے کیا حقوق ہم پر عاید ہوتے ہیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ آیا ہم انہیں ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ ایسا نہیں ہے تو پھر یہ سوچیں کہ ان کی ادائیگی کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے اور پھر بلا تاخیر اس کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔ اس لیے کہ اس کا براہِ راست تعلق ہماری عاقبت اور نجات سے ہے اور اس معاملے میں کسی کوتاہی کی تلافی قرآن حکیم کی شان میں قصیدے پڑھنے سے بہرحال نہیں ہو سکتی —— چنانچہ میں آج کی صحبت میں انہی امور پر کسی قدر وضاحت سے گفتگو کروں گا۔

ہر مسلمان پر قرآن مجید کے چار حقوق

ثقیل الفاظ یا دینی اصطلاحات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عام زبان میں بیان کیا جائے تو قرآن مجید کے یہ چار حقوق ہر مسلمان پر عاید ہوتے ہیں:

- ۱: ایک یہ کہ اسے مانا جائے۔
- ۲: دوسرے یہ کہ اسے پڑھا جائے۔
- ۳: تیسرے یہ کہ اسے سمجھا جائے۔ اور

۱؎ قرآن مجید کی حقیقی قدر و منزلت اور واقعی مقام و مرتبے کا ادراک عام انسانی ادراکات کی سطح سے اس قدر ماوراء ہے کہ فکرِ انسانی کی رہنمائی کے لیے خود قرآن نے ایک تمثیل کے ذریعے اس کا بس ایک دھندلا سا تصور پیش کیا ہے کہ:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ الحشر رکوع ۳)

اگر ہم اتار دیتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ پڑتا۔ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

● چوتھے یہ کہ اس پر عمل کیا جائے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ ان چاروں حقوق کی قدرے تفصیل ان اصطلاحات کی مختصر تشریح کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے پیش کروں جو خود قرآن مجید میں ان کے لیے استعمال ہوئی ہیں:

۱۔ ایمان و تعظیم | ماننے کا اصطلاحی نام ایمان ہے۔ اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک ۔ "اقرار باللسان" اور دوسرے "تصدیق بالقلب" اقرارِ لسانی دائرۂ اسلام میں داخلے کی شرط لازم ہے اور تصدیق قلبی حقیقی ایمان کا لازمہ ہے۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو برگزیدہ فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس اقرار سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے لیکن حقیقی ایمان اسے اس وقت نصیب ہوتا ہے جب ان تمام امور پر ایک پختہ یقین اس کے قلب میں پیدا ہوجائے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب یہ صورت پیدا ہوجائے گی تو خود بخود قرآن کی عظمت کا نقش قلب پر قائم ہوجائے گا اور جوں جوں قرآن پر ایمان بڑھتا جائے گا اس کی تعظیم و احترام میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ گویا ایمان و تعظیم لازم و ملزوم ہیں۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر ایمان سب سے پہلے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی رضوان اللہ علیہم اجمعین لائے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (البقرہ۔ رکوع ۴۰)	ایمان لایا رسولؐ اس پر کہ جو نازل کیا گیا اس کی جانب اور (اس کے ساتھی) اہل ایمان ۔

یہ ایمان پورے تصدیق قلب کے ساتھ تھا۔ اور اس گہرے یقین پر مبنی تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو اس کی تعظیم و احترام کا گہرا نقش ان کے قلوب پر ثبت ہوگیا اور دوسری طرف گہری محبت اور والہانہ عشق کا ایک تعلق اس کے ساتھ قائم ہوگیا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی کا شدت کے ساتھ انتظار رہتا تھا۔ اور آپؐ اس کے لیے بے چین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ وحی جلد جلد آیا کرے۔ پھر جب قرآن اترتا تھا تو آپؐ کمال شوق سے جلد از جلد اس کو یاد کر لینے کی کوشش کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو از راہِ محبت و شفقت ان امور میں مبالغے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ ؕ (طٰہٰ)	قرآن کے لیے جلدی نہ کرو۔

اور:

وَلَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ (سورۃ قیامہ) ۔ قرآن (کو یاد کرنے) کی جلدی میں اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دو۔

نزول قرآن کے ابتدائی دور میں جب ایک بار وحی کی آمد میں قدرے دیر ہوگئی تو یہ وقفہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر شاق گذرا کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ شدت غم سے میں سوچتا تھا کہ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دوں۔ رات کا اکثر حصہ آپؐ اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہوکر قرآن پڑھتے ہوئے گذار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے پائے مبارک متورم ہوجاتے تھے۔ اور قرآن ہی کی شہادت ہے کہ ایک تہائی، آدھی اور دو تہائی رات اس طرح بسر کرنے میں بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپؐ کا اتباع کرتے تھے۔ جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ اکثر صحابہؓ ہفتے میں ایک بار ضرور قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا ان کا حال یہ تھا کہ صحابہؓ سے باصرار فرمائش کر کے قرآن مجید سنا کرتے تھے اور بسا اوقات شدتِ تاثر سے آپ کے آنسو بہہ نکلتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآن سے اس گہرے شغف اور اس کی جانب اس قدر التفات کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ حق الیقین حاصل تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ — اس کے بالکل برعکس حال ہمارا ہے۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا اقرار تو ہم کرتے ہیں اور اس پر بھی خدا کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے کہ اس نے ہمیں ان لوگوں میں پیدا فرما دیا جو قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں لیکن الا ماشاء اللہ اس کے کلام الٰہی ہونے کا یقین ہمیں حاصل نہیں اور درحقیقت یہی ہمارے قرآن سے بُعد اور اس کی جانب عدم التفات و توجہ کا اصل سبب ہے۔ آپ شاید میری اس بات سے ناراض ہوں لیکن اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور ان کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ واقعی ہمارے قلوب قرآن پر یقین سے خالی ہیں اور ریب اور شک نے ہمارے دلوں میں ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔ ہماری اس کیفیت کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (سورۂ شوریٰ)	اور جو لوگ وارث ہوئے کتاب الٰہی کے ان کے بعد وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں

یہی وجہ ہے کہ نہ ہمارے دلوں میں اس کی کوئی عظمت ہے، نہ اس کو پڑھنے پر ہماری طبیعت

آمادہ ہوتی ہے، نہ اس پر غور و فکر کی کوئی رغبت ہم اپنے اندر پاتے ہیں اور نہ ہی اسے زندگی کا واقعی لائحہ عمل بنانے کا خیال کبھی ہمیں آتا ہے۔ اس پوری صورت حال کا اصل سبب ایمان اور یقین کی کمی ہے اور جب تک اسے دور نہ کیا جائے کسی وعظ و نصیحت سے کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹولے اور دیکھے کہ وہ قرآن مجید کو بس ایک متوارث مذہبی عقیدے (Dogma) کی بنا پر ایک ایسی "مقدس آسمانی کتاب" سمجھتا ہے جس کا زندگی اور اس کے جملہ معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو یا اسے یقین ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس لیے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں اور اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنائیں۔ اگر دوسری بات ہے تو فہو المطلوب، اور اگر پہلا معاملہ ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری ایک عظیم اکثریت کے ساتھ یہی صورت ہے، تو پھر سب سے پہلے ایمان کی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی اس لیے کہ قرآن مجید کے دوسرے تمام حقوق کی ادائیگی کا کُلّی انحصار اسی پر ہے!

پوچھا جا سکتا ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی عملی تدبیر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کا ایک ہی منبع اور سرچشمہ ہے اور قرآن پر یقین اور اس میں اضافے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ خود قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ میں بعد میں کسی قدر تفصیل سے عرض کروں گا، ایمان درحقیقت کوئی خارج سے ٹھونسی جانے والی چیز ہے ہی نہیں، اس کی شمع تو انسان کے اپنے باطن میں روشن ہے[1] اور اس کا قلب بذاتِ خود وہ "جامِ جہاں نما" ہے جس میں کائنات کے وہ تمام حقائق از خود منعکس ہیں جن کا دوسرا نام ایمان ہے۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ غلط ماحول اور غلط تعلیم و تربیت کے اثرات سے انسان کی شمعِ باطن کی روشنی دھندلا جاتی ہے[2]۔ اور اس کے اعمالِ بد کے سبب سے اس کا آئینۂ قلب مکدر ہو جاتا ہے[3] اور اس آئینے کو صیقل کرنے اور انسان کی اس شمعِ باطن کے نور کو اجاگر کرنے کے لیے ہی کلامِ الٰہی "تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ"[4] (حاشیہ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

[1] وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے، ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآن کے سیپاروں میں

[2] "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ..." الحدیث نبوی۔ ہر انسان فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

[3] "كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (سورۃ مطففین)
"ہرگز نہیں، بلکہ ان کے اعمال کے نتیجے میں ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے"

بن کر نازل ہوا ہے۔ تلاشِ حق کی نیت سے اسے پڑھا اور اس پر غور و فکر کیا جائے تو سارے حجابات دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان کا باطن نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ محض ایک متوارث عقیدے کے طور پر قرآن کو ایک مقدس آسمانی کتاب ماننے سے ہماری موجودہ صورتِ حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید کے ساتھ عدمِ التفات کا جو رویہ ہمارا اس وقت ہے وہ نہیں بدل سکتا۔ قرآن مجید کے جو حقوق ہم پر عاید ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کی اوّلین شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ہماری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔

اس یقین کے پیدا ہوتے ہی قرآن کے ساتھ ہمارے تعلق میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ یہ احساس کہ یہ ہمارے اس خالق و مالک کا کلام ہے جس کی ذات تبارک و تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، اور جس کا کسی ادنیٰ ترین درجے میں بھی کوئی تصور ہمارے بس میں نہیں اور جس کی ذات کے ادراک سے عجز کا احساس ہی بقول افضل البشر بعد الانبیاء کمالِ ادراک ہے[1] ہمارے فکر و نظر میں ایک انقلاب برپا کر دے گا۔ پھر ہمیں محسوس ہوگا کہ اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے سب سے بڑی دولت اور عظیم ترین نعمت قرآن حکیم ہے۔ پھر اس کی تلاوت ہماری روح کی غذا اور اس پر غور و فکر ہمارے قلوب و اذہان کے لیے روشنی بن جائیں گے۔ —— اور یقیناً یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ اس کی تلاوت سے ہم کبھی سیر نہ ہو سکیں گے اور اپنی بہترین ذہنی و فکری صلاحیتوں اور اپنی پوری عمر کو اس پر تدبر و تفکر میں کھپا کر بھی ہم محسوس کریں گے کہ ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

۲۔ تلاوت و ترتیل

قرآن کے پڑھنے کے لیے خود قرآن مجید میں اگرچہ قرأت اور تلاوت دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن احترام و تعظیم کے ساتھ اسے ایک مقدس آسمانی کتاب سمجھتے ہوئے ذہنی اور نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر کے اتباع اور پیروی کے جذبے کے ساتھ قرآن کو پڑھنے کے لیے اصل قرآنی اصطلاح "تلاوت" ہی کی ہے اس لیے بھی کہ یہ لفظ صرف آسمانی صحیفوں کے پڑھنے کے لیے خاص ہے جب کہ قرأت ہر چیز کے پڑھنے کے لیے عام ہے اور اس لیے بھی کہ تلاوت کا لغوی مفہوم ساتھ لگے رہنے اور پیچھے پیچھے آنے کا ہے

پچھلے صفحے کا حاشیہ [4] سورۂ ق: "سمجھانے والی اور یاد دلانے والی ہر اس بندے کیلئے جو (خدا کی طرف) رجوع کرے"!

[1] حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک مشہور قول "العجز عن درکِ الذات ادراک" جس پر حضرت علیؓ نے یہ گرہ لگائی کہ: "والبحث عن کنہِ الذات اشراک"

جب کہ قراءت مجرد جمع و ضم کے لیے آتا ہے۔ عام گفتگو میں ابتداءً قراءت کا لفظ قرآن سیکھنے اور اس کے علم کی تحصیل کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اور قاری عالم قرآن کو کہا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ اصطلاح قرآن کو اہتمام اور تکلف کے ساتھ قواعد تجوید کی خصوصی رعایت اور حروف کے مخارج کی صحت کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے پڑھنے کے لیے خاص ہوتی چلی گئی جب کہ تلاوت کا اطلاق عام طریقہ پر انابت اور خشوع و خضوع کے ساتھ حصول برکت و نصیحت کی غرض سے قرآن پڑھنے پر ہونے لگا۔

تلاوت کلام پاک ایک بہت بڑی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کو تر و تازہ رکھنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ قرآن صرف ایک بار سمجھ لینے کی چیز نہیں ہے بلکہ بار بار پڑھنے اور ہمیشہ پڑھتے رہنے کی چیز ہے۔ اس لیے کہ یہ روح کے لیے بمنزلۂ غذا ہے اور جس طرح جسم انسانی اپنی بقا و تقویت کے لیے مسلسل غذا کا محتاج ہے جو انسان کے جسد حیوانی کی طرح سب زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح روح انسانی جو خود آسمانی چیز ہے۔ کلام ربانی کے ذریعے مسلسل تغذیہ و تقویت کی محتاج ہے۔

اگر قرآن بس ایک مرتبہ سمجھ لینے کی چیز ہوتی تو کم از کم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس کے بار بار پڑھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مسلسل قرآن پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید ہوئی۔ عہد رسالت کے بالکل ابتدائی ایام میں تو انتہائی تاکیدی حکم ہوا کہ رات کا اکثر حصہ اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے ہوئے بسر کرو۔ بعد کے ادوار میں بھی خصوصاً جب مشکلات و مصائب کا زور ہوتا تھا اور صبر و استقامت کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن ہی کا حکم دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۂ کہف میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۝ (سورۂ کہف رکوع ۴)	اور پڑھا کر جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے پروردگار کی کتاب سے۔ کوئی اس کے باتوں کا بدلنے والا نہیں۔ اور نہ ہی تو کہیں پا سکے گا اس کے سوا پناہ کی جگہ۔

اور سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ (سورۂ عنکبوت رکوع ۵)	پڑھا کر جو وحی ہوئی تیری طرف کتاب الٰہی۔ اور قائم رکھ نماز کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت مسلسل کرتے رہنا ضروری ہے اور یہ مومن کی روح کی

غذا اس کے ایمان کو تر و تازہ اور سرسبز و شاداب رکھنے کا اہم ترین وسیلہ اور مشکلات و موانع کے مقابلے کے لیے اس کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔

کتاب الٰہی کے اصل قدردانوں کی یہ کیفیت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے کہ:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ (البقرہ رکوع ۱۴)	جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کریمہ کا مصداق بنائے اور ہم سب کو توفیق دے کہ ہم قرآن مجید کا حق تلاوت ادا کر سکیں۔ لیکن اس کے لیے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن کی تلاوت کا حق ہے کیا؟ اور اس کی ادائیگی کی شرائط کیا ہیں؟

تجوید اس سلسلے میں سب سے پہلی ضروری چیز قرآن مجید کے حروف کی شناخت اور ان کے مخارج کا صحیح علم ہے اور رموز و اوقاف قرآنی کی ضروری معلومات کی تحصیل ہے جس سے قرآن مجید کی صحیح اور رواں تلاوت ممکن ہو سکے۔ آج سے تیس چالیس سال قبل تک ہر مسلمان بچے کی تعلیم کی ابتدا اسی سے ہوتی تھی اور وہ سب سے پہلے قرآن کے حروف کی پہچان اور اس کی صحیح ادائیگی کی صلاحیت حاصل کرتا تھا۔ افسوس کہ ادھر ایک عرصے سے مساجد و مکاتب کی تعلیم کے زوال اور کنڈر گارٹن قسم کے مدارس کے رواج کی بدولت یہ صورت حال پیدا ہو چکی ہے کہ مسلمان قوم کی نوجوان نسل کی ایک عظیم اکثریت حتیٰ کہ بہت سے بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے لوگ بھی قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے پر بھی قادر نہیں۔ میں ایسے تمام حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ اپنی اس کمی کا احساس کریں اور جلد از جلد اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور خواہ وہ عمر کے کسی بھی مرحلے میں ہوں۔ قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کی صلاحیت لازماً پیدا کریں۔ ساتھ ہی انہیں چاہیے کہ اپنی اولاد کے بارے میں یہ طے کر لیں کہ ان کی تعلیم کی ابتدا اسی سے ہو گی اور سب سے پہلے وہ قرآن کے حروف کی پہچان اور ان کو صحیح مخارج سے ادا کرنا سیکھیں گے ——— اس معاملے میں حد سے زیادہ غلو تو اگرچہ اچھا نہیں لیکن قرآن مجید کو روانی کے ساتھ صحیح اصوات و مخارج اور رموز و اوقاف کی رعایت و لحاظ کے ساتھ پڑھنے پر قادر ہونا تو ہر معمولی سے معمولی پڑھے لکھے انسان کے لیے بھی لازم اور قرآن مجید کے حق تلاوت کی ادائیگی کی شرط اولین ہے۔

روزانہ کا معمول قرآن مجید کے حق تلاوت کی ادائیگی کے لیے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ تلاوت قرآن کو زندگی کے معمولات میں مستقل طور پر شامل کیا جائے اور ہر مسلمان تلاوت

کا ایک مقررہ نصاب پابندی کے ساتھ لازماً پورا کرتا ہے۔ مقدارِ تلاوت مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہو سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ مقدار جس کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توثیق فرمائی ہے یہ ہے کہ تین دن میں قرآن ختم کیا جائے۔ یعنی دس پارے روزانہ پڑھے جائیں اور کم سے کم مقدار جس سے کم کا تصور بھی ماضی قریب تک نہ کیا جا سکتا تھا، وہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھ کر ہر مہینے قرآن ختم کر لیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ کم از کم نصاب ہے جس سے کم پر تلاوتِ قرآن کے معمول کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ درمیانی درجہ جس پر اکثر صحابہ عامل تھے اور جس کا حکم بھی ایک روایت کے مطابق آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیا تھا، وہ یہ ہے کہ ہر ہفتے قرآن ختم کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہؓ میں قرآن کی تقسیم سورتوں کے علاوہ صرف سات احزاب میں تھی[۱] جن میں سے پہلے چھ احزاب علی الترتیب تین، پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ سورتوں پر مشتمل ہیں اور ساتواں جو حزبِ مفصل کہلاتا ہے بقیہ قرآن مجید پر مشتمل ہے۔ اس طرح ہر حزب کم و بیش چار پاروں کا بنتا ہے جن کی تلاوت انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ دو گھنٹوں میں کی جا سکتی ہے جو دن رات کے عُشر سے بھی کم ہے —— تلاوتِ قرآن مجید کا یہ نصاب ہر اس شخص کے لیے لازمی ہے جو دینی مزاج اور مذہبی ذوق رکھتا ہو۔ اور قرآن مجید کا حقِ تلاوت ادا کرنے کا خواہشمند ہو۔ چاہے وہ عوام میں سے ہو یا اہلِ علم و فکر کے طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لیے کہ جہاں تک روح کے تغذیہ و تقویت کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے تو سب ہی اس کے محتاج ہیں۔ اس کے علاوہ عوام کو اس سے ذکر و موعظت حاصل ہوگی اور اہلِ علم و فکر حضرات اس سے اپنے علم کے لیے روشنی اور فکر کے لیے رہنمائی پائیں گے[۲] حتیٰ کہ وہ حضرات بھی جو دن رات قرآن حکیم پر تفکر و تدبر میں لگے رہتے ہوں اور قرآن کی ایک ایک سورت پر برسوں غور و فکر کرتے اور اس کے مشکل مقامات پر عرصہ دراز تک توقف کرتے ہوں وہ بھی قرآن کی اس تلاوتِ مسلسل سے مستغنی نہیں بلکہ ان کو اس کی دوسروں کے بہ نسبت

---

[۱] تیس پاروں اور رکوعوں میں قرآن کی تقسیم بعد کی چیز ہے۔

[۲] واقعہ یہ ہے کہ اصحابِ فکر جو فکر کی کسی گتھی کو سلجھانے میں مگن ہوں اور سخت الجھن میں ہوں بسا اوقات قرآن حکیم کی تلاوتِ مسلسل کے دوران یہ محسوس کریں گے کہ جیسے دفعتاً ان کی گتھی سلجھ گئی اور الجھن حل ہو گئی اور قرآن مجید کے کسی ایسے مقام سے انہیں روشنی حاصل ہو گئی جس کو انہوں نے اس سے قبل بیشمار مرتبہ پڑھا تھا لیکن چونکہ وہ مسئلہ ذہن میں موجود نہ تھا لہٰذا اس پہلو کی جانب توجہ نہ ہوئی تھی۔

زیادہ ہی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ قرآن کی تلاوتِ مسلسل سے اس کی بہت سی مشکلیں از خود حل ہوتی چلی جاتی ہیں اور بے شمار نئے پہلو سامنے آتے رہتے ہیں۔

خوش الحانی

قرآن کی تلاوت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک بہتر سے بہتر اسلوب، اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اس لیے کہ حسنِ سماعت کا ذوق کم و بیش ہر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے اور اچھی آواز ہر شخص کو بھاتی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور انسان کے کسی فطری جذبے کو یکسر ختم نہیں کرتا، بلکہ تمام فطری داعیات کو صحیح راستوں پر ڈالتا ہے۔ حسنِ نظر اور حسنِ سماعت انسان کے فطری داعیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی بہتر سے بہتر اور خوشنما سے خوشنما کتابت سے ایک مومن کے حسنِ نظر کو حقیقی تسکین حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوش الحانی کے ساتھ قرأت اس کے ذوقِ سماعت کو آسودگی عطا کرتی ہے —— یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً فرمایا ہے:

"زینوا القرآن باصواتکم"	قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو!

ساتھ ہی اس معاملے میں کوتاہی پر ان الفاظ میں ملامت فرمائی ہے کہ:

"من لم یتغن بالقرآن فلیس منا"	جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

اور اس کے لیے مزید تشویق کے لیے خبر دی ہے کہ:

"ما اذن اللہ لشیء ما اذن لحسن الصوت بالقرآن"	اللہ تعالےٰ کسی چیز پر اس طرح کان نہیں لگاتا جس طرح خوش الحانی کے ساتھ پڑھے جانے والے قرآن پر!

بارہا ایسا ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راہ چلتے کسی صحابیؓ کو اچھی آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو دیر تک کھڑے ہو کر سنتے رہتے تھے۔ اور بعد میں اس کی تحسین بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ فرمائش کر کے بھی صحابہؓ سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے عرض کیا: "حضورؐ! کیا آپ کو قرآن سناؤں؟ حالانکہ آپ ہی پر تو وہ نازل ہوا ہے!" آپ نے فرمایا: "ہاں، میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں!" چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے آپ کو قرآن سنایا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

——— اس معاملے میں بھی غلو اگرچہ مضر ہے خصوصاً جب اس میں تصنّع اور ریا شامل ہو جائیں۔ اور اس کی صورت ایک پیشے کی بن جائے تب تو یہ مہلکات میں سے شمار ہوتے والی چیز بن جاتی ہے لیکن ہر شخص کو اپنے ذوقِ حسنِ سماعت کی تسکین بہرحال قرآن کی تلاوت و سماعت ہی میں تلاش کرنی چاہیے! اور خود اپنے حتیٰ الامکان تک اچھے سے اچھے طریقے پر تلاوت کی سعی کرنی چاہیے!

آدابِ ظاہری و باطنی؛

قرآن کے حقِ تلاوت کی ادائیگی کی شرائط میں سے تلاوت کے کچھ ظاہری اور باطنی آداب بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان با وضو ہو قبلہ رُخ بیٹھ کر تلاوت کرے، اور اس کی ابتدا تعوّذ سے کرے ——— پھر یہ کہ اس کا دل کلام اور صاحبِ کلام دونوں کی عظمت سے معمور ہو۔ حضورِ قلب، خشوع و خضوع اور انابت و رجوع الی اللہ کے ساتھ تلاوت کرے۔ اور خالص طلبِ ہدایت کی نیت اور قرآنِ حکیم کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کے عزمِ مصمم کے ساتھ قرآن کو پڑھے، اور مسلسل تذکر و تدبر اور تفہم و تفکر کرتا رہے اور اپنے خود ساختہ خیالات و نظریات کی سند قرآن سے حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ حتی الامکان معروضی طور پر اس سے ہدایت اخذ کرنے کے لیے پڑھے ——— اس لیے کہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ....

.... تلاوت کا لغوی مفہوم "پیچھے لگنے" اور "ساتھ رہنے" کا ہے۔ اور نفس میں حوائگی و سپردگی کی کیفیت تلاوت کا اصل جوہر ہے!

ترتیل؛

تلاوتِ قرآن پاک کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ نماز (خصوصاً تہجد) میں اپنے ربّ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ اور متذکرہ بالا تمام شرائط کی پابندی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور توقف کرتے ہوئے قرآن پڑھا جائے جس سے قلب پر اثرات مترتب ہوتے چلے جائیں۔ قرآن کی اصطلاح میں اس قسم کی تلاوت کا نام ترتیل ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام بالکل ابتدائی عہدِ رسالت میں ملے ان میں سے غالباً اہم ترین حکم یہی تھا کہ:۔

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ (سورہ مزمل)	اے مزمّل! رات کو کھڑے رہا کرو سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے۔ (یعنی) آدھی رات، یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زائد۔ اور قرآن کو پڑھا کرو ٹھہر ٹھہر کے۔

قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں ایک گونہ مماثلت اس کے طریق نزول سے بھی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ قرآن خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر "جُمْلَةً وَّاحِدَةً" یعنی یکبارگی نہیں اترا۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا اترا ہے۔ اور سورہ فرقان میں اللہ تعالےٰ نے کفار کا یہ اعتراض نقل کرکے کہ آخر یہ سارا قرآن ایک بار ہی کیوں نازل نہیں ہو جاتا جواباً آنحضورؐ سے خطاب کرکے فرمایا ہے کہ:۔

کَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۝ (الفرقان رکوع ۳)	اسی طرح (اتارا) تاکہ ہم اس کے ذریعے تمہارے دل کو ثبات عطا فرمائیں۔ چنانچہ پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ترتیل تثبیتِ قلبی کا موثر ذریعہ ہے اور اس طرح قرآن پڑھنے سے قلبِ انسانی کو زیادہ سے زیادہ فیض و افادہ حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ شدتِ تأثر سے قلب پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عربی صاحب احکام القرآن نے ترتیل کی تفسیر میں حضرت حسنؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جو قرآن مجید اس طرح پڑھ رہا تھا کہ ایک ایک آیت پڑھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ اس پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "کیا تم نے اللہ تعالےٰ کا قول مبارک وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا نہیں سنا؟ - دیکھ لو یہ ہے ترتیل!" ——— قرآن مجید کو بطریقِ ترتیل تلاوت کرنے ہی کا حکم ہے آنحضورؐ کے اس قول مبارک میں کہ:۔

اُتْلُوا الْقُرْاٰنَ وَابْکُوْا (ابن ماجہ)	قرآن کو پڑھو اور روؤ

چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ لیل کی یہ کیفیت روایات میں بیان ہوئی ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے جوشِ گریہ سے آپؐ کے سینہ مبارک سے ایسی آوازیں نکلتی تھیں جیسے کوئی ہانڈی چولہے پر پک رہی ہو۔

حفظ

اس ترتیل کی شرطِ لازم یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کیا جائے۔ بدقسمتی سے اس کا ذوق بھی ہمارے یہاں کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا ہے ایک تو حفظِ قرآن کی صرف یہ صورت مروّج رہ گئی ہے کہ پورا کلام پاک حفظ کیا جائے۔ اور اس کے لیے ظاہر ہے کہ بچپن ہی کا زمانہ موزوں ہو سکتا ہے جب کہ کلام پاک کا مفہوم سمجھنے کا کوئی سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کا ذوق بھی اب کم ہو رہا ہے اور حفظِ قرآن صرف غرباء کے ایک طبقے کیلئے ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ بالکل ماضی قریب میں یہ حال تھا کہ شرفاء اور اچھے کھاتے پیتے گھرانوں میں حفظِ قرآن کا چرچا تھا اور ہندوستان کے بعض شہر تو ایسے بھی تھے جن میں اکثر گھروں میں کئی کئی حافظِ قرآن

ہوتے تھے اور وہ گھرانا نہایت منحوس سمجھا جاتا تھا جس میں کوئی ایک شخص بھی حافظ نہ ہو۔ حفظِ قرآن کا یہ سلسلہ نہایت مبارک ہے اور حفاظتِ قرآن کی خدائی تدابیر میں سے ہے اور اس کے جانب بھی از سرِ نو توجہ و انہماک کی شدید ضرورت ہے لیکن میں یہاں بالخصوص جس حفظ کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ حفظ تو ہے جو ترتیلِ قرآن کا حق ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان پر واجب ہے۔ یعنی یہ کہ ہر مسلمان مسلسل زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ تاکہ اس قابل ہو سکے کہ رات کو اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا کلام اسے سنا سکے! افسوس ہے کہ اس کا ذوق بالکل ہی ختم ہو گیا ہے اچھے اچھے علماء اس سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ اور ائمہ مساجد جو قرآن ہی کے طفیل روٹی کھاتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ بس جتنا قرآن کبھی یاد کر لیا تھا اسی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں اور پھیر پھیر کر انہی حصوں کو نمازوں میں پڑھتے رہتے ہیں ـــــ اس کے برعکس ہونا یہ چاہیے کہ ہر شخص قرآن کے اس حصے کو جو اسے یاد ہو اپنا اصل اثاثہ اور سرمایہ سمجھے اور اس میں مسلسل اضافے کے لیے کوشاں رہے۔ تاکہ تلاوتِ قرآن کی سب سے اعلیٰ صورت یعنی ترتیل سے زیادہ سے زیادہ حظ حاصل کر سکے ـــــ! اور اپنی روح کو زیادہ سے زیادہ غذا عمدہ سے عمدہ صورت میں فراہم کر سکے!

۳۔ تذکر و تدبر

'ماننے' اور 'پڑھنے' کے بعد تیسرا حق قرآن مجید کا یہ ہے کہ اسے 'سمجھا' جائے۔ اور ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی نازل ہی اس لیے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گذر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا۔ بلکہ ایک ایسا ان پڑھ شخص جو ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو اور اب اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو اگر اس یقین کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اسے کھول کر بیٹھتا ہے اور محبت و عقیدت اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی سطور پر محض انگلی پھیرتا رہتا ہے تو اس کے لیے اس کا یہ عمل بھی یقیناً موجبِ ثواب و برکت ہوگا لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا حصہ صرف کر دیا ہو۔ اور دنیا کے بہت سے علوم و فنون حاصل کیے ہوں، مادری ہی نہیں غیر ملکی، زبانیں بھی سیکھی ہوں۔ اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو ان کی یہ تلاوت نہ صرف یہ کہ بے کار اور لاحاصل ہوگی بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں۔ الا یہ کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرنے کا عزمِ صمیم کر لیں اور اس کے لیے سعی و جہد شروع کر دیں تو درمیانی عرصے میں اگر مجرد تلاوت بھی کرتے

رہیں تو امید ہے کہ اس کا اجر انہیں ملتا رہے گا۔

پھر فہمِ قرآن کوئی سادہ اور بسیط شئی نہیں بلکہ اس کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں اور ہر انسان علم کے اس اتھاہ و ناپیدا کنار سمندر سے اپنی فطری استعداد، ذہنی ساخت، طبیعت کی افتاد، پھر اپنی سعی و جہد، محنت و مشقت، کدو کاوش اور تحقیق و جستجو کے مطابق حصّہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ کوئی انسان خواہ کیسی ہی اعلیٰ استعداد کا مالک کیوں نہ ہو اور کتنی ہی محنت و کاوش کیوں نہ کرے پھر چاہے پوری کی پوری عمر قرآن پر تدبر و تفکر میں بسر کر دے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی بھی مرحلے پر پہنچ کر وہ سیر ہو جائے اور یہ محسوس کرے کہ قرآن کا فہم کما حقہٗ اسے حاصل ہو گیا ہے بالکل صحیح کہا تھا جس نے کہا تھا کہ قرآن ایک ایسا خزانہ ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور جس پر غور و فکر سے انسان کبھی فارغ نہ ہو سکے گا! وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ بس چاہیے کہ اصحابِ عزم و ہمت اور اربابِ حوصلہ و امنگ اس میدان کو اپنے حوصلوں اور امنگوں کی آماجگاہ بنائیں اور اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔

'سمجھ' کے لیے یوں تو قرآن مجید نے فہم و فکر اور عقل و فقہ کے قبیل کے تمام ہی الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ فہمِ قرآن کے لیے وسیع ترین اصطلاح جو قرآن میں سب سے زیادہ استعمال ہوئی ہے وہ ذکر و تذکر کی ہے۔ چنانچہ خود قرآن اپنے آپ کو جا بجا 'ذکر' 'ذکریٰ' اور 'تذکرہ' کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ اصطلاح درحقیقت فہمِ قرآن کی اولین منزل کا پتہ بھی دیتی ہے اور اس کی اصل غایت اور حقیقی مقصود کا سراغ بھی اس سے ملتا ہے، اور ساتھ ہی اس سے اس حقیقت کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ تعلیماتِ قرآنی نفسِ انسانی کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہیں بلکہ یہ درحقیقت اس کی اپنی فطرت کی ترجمانی ہے اور اس کی اصل حیثیت 'یاددہانی' کی ہے۔ نہ کہ کسی نئی بات کے 'سکھانے' کی! ـــــ قرآن تمام ذی شعور انسانوں کو جنہیں وہ 'اولوالالباب' اور 'قومٍ یعقلون' قرار دیتا ہے تفکر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے اور اس کا اولین میدان خود آفاق و انفس کو قرار دیتا ہے جو آیاتِ الٰہی سے بھرے پڑے ہیں۔ ساتھ ہی وہ انہیں آیاتِ قرآنی میں بھی تفکر و تعقل کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورۂ یونس)

اسی طرح ہم کھولتے ہیں اپنی آیات ان لوگوں کے لیے جو تفکر کریں۔

اور فرمایا:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ نحل)

اور اتارا ہم نے تم پر ذکر تاکہ تم جو کچھ لوگوں کیلئے اتارا گیا ہے اسکی وضاحت کرو تاکہ وہ تفکر کریں۔

اسی طرح:-

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورۃ بقرہ)

اسی طرح اللہ اپنی آیات کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ تم تعقل کرسکو۔

اور:-

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورۃ یوسف)

ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر اتارا تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔

آیات قرآنی، آیات آفاقی اور آیات انفسی میں تفکر و تعقل کے نتیجے میں انسان محسوس کرتا ہے کہ ایک تو ان تینوں میں گہری ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ سب کامل توافق کے ساتھ بعض ایسے حقائق کی جانب رہنمائی کرتی ہیں جن کی شہادت خود اس کی اپنی فطرت میں مضمر ہے۔ اس طرح اس کے اپنے باطن کی مخفی شہادت اجاگر ہو کر اس کے شعور کے پردوں پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور حقیقت نفس الامری کا علم جس کا دوسرا نام ایمان ہے اس کے شعور میں بالکل اس طرح ابھرتا ہے جیسے کسی تحریک کی بنا پر کوئی پرانی بھولی بسری بات انسان کی یادداشت کے ذخیرے کی گہرائیوں سے ابھر کر افق شعور پر طلوع ہوتی ہے —— اسی عمل (PHENOMENON) کا نام قرآنی اصطلاح میں "تذکر" ہے۔

اس "تذکر" کی احتیاج ہر انسان کو ہے خواہ وہ عوام الناس میں سے ہو خواہ خواص کے طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "تذکر" کے لیے قرآن کو انتہائی آسان بنا دیا ہے اور قرآن کی ایک سورت میں چار مرتبہ فرما کر کہ:-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورۃ القمر)

ہم نے آسان بنا دیا ہے قرآن کو ذکر کے لیے —— تو ہے کوئی یاد دہانی سے فائدہ اٹھانے والا۔ (سورۂ قمر)

ہر انسان پر حجت قائم کر دی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی کم اور کیسی ہی معمولی استعداد کا حامل کیوں نہ ہو۔ فلسفہ و منطق اور علوم و فنون سے کتنا ہی نابلد اور زبان و ادب کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو وہ قرآن سے "تذکر" کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی طبع سلیم اور فطرت صحیح ہو اور اس میں ٹیڑھ اور کجی راہ نہ پا چکی ہو —— اور وہ قرآن کو پڑھتے ہوئے اس کا ایک سادہ

مفہوم روانی کے ساتھ سمجھتا چلا جائے۔!

تیسیر قرآنی للذکر کے متعدد پہلو ہیں۔ مثلاً ایک تو یہی کہ اس کا اصل موضوع اور اساسی مضامین فطرت انسانی کے جانے پہچانے ہیں اور قرآن کو پڑھتے ہوئے ایک سلیم الطبع انسان خود اپنے باطن کی آواز سن رہا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا طریق استدلال نہایت فطری اور انتہائی سادہ ہے۔ مزید یہ کہ مشکل مضامین کو نہایت دل نشین مثالوں کے ذریعے آسان بنا دیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ یہ ادب کا شاہکار اور فصاحت و بلاغت کی معراج ہے۔ اس کی زبان عام طور پر نہایت آسان ہے اور عربی زبان کی تھوڑی سی سوجھ بوجھ اور معمولی سا ذوق رکھنے والا شخص بھی بہت جلد اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور بہت ہی کم مقامات ایسے رہ جاتے ہیں جہاں ایسے شخص کو دقت پیش آئے۔

لیکن تذکر بالقرآن کے لیے عربی زبان کا بنیادی علم بہرحال ناگزیر ہے اور حق کے ساتھ قرآن کے کسی مترجم نسخے میں ترجمہ بھی دیکھتے رہنا اس مقصد کے لیے قطعاً ناکافی ہے۔ اور میں پوری دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ عربی کی اس قدر تحصیل کہ انسان قرآن مجید کا ایک رواں ترجمہ از خود سمجھ سکے اور تلاوت کرتے ہوئے بغیر متن سے نظر ہٹائے اس کے سرسری مفہوم سے آگاہ ہوتا چلا جائے ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسا مسلمان جس نے کچھ بھی پڑھا لکھا ہو کجا یہ کہ غیر ملکی زبان تک سیکھی ہو، بی اے، ایم اے پاس کیا ہو، ڈاکٹری اور انجنیئرنگ جیسے مشکل علوم و فنون حاصل کیے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اتنی سی عربی بھی نہ سیکھ سکنے پر کیا عذر پیش کر سکے گا جس سے وہ اس کے کلام پاک کا فہم حاصل کر سکتا۔ حضرات میں پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا عربی سیکھ کر قرآن کا فہم حاصل کرنے سے باز رہنا اللہ کے کلام کا تمسخر و استہزا ہی نہیں بلکہ اس کی تحقیر و توہین ہے اور آپ خود سوچ لیں کہ اپنے اس طرز عمل سے ہم اپنے آپ کو اللہ کی کیسی شدید باز پرس اور کتنی سخت عقوبت کا مستحق بنا رہے ہیں؟

میرے نزدیک عربی زبان کی کم از کم اتنی تحصیل کہ قرآن مجید کا سرسری مفہوم انسان کی سمجھ میں آ جائے ہر پڑھے لکھے مسلمان پر قرآن کا وہ حق ہے جس کی عدم ادائیگی نہ صرف قرآن بلکہ خود اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

فہم قرآن کا دوسرا مرتبہ تدبر قرآن کا ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن کو گہرے غور و فکر کا موضوع بنایا جائے

اور اس کے علم و حکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ قرآن "ھُدًی لِّلنَّاس" ہے اور جس طرح عوام کو کائنات اور اپنی ذات کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر اور زندگی بسر کرنے کی واضح ہدایات عطا فرماتا ہے اسی طرح خواص اور اصحابِ علم و فکر کے لیے بھی کامل ہدایت اور مکمل رہنمائی ہے اور ان کے ذہنی و فکری سفر کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر ان کی دستگیری فرماتا ہے۔

قرآن نے اپنے محلِ تدبر ہونے کو بایں الفاظ خود واضح فرمایا ہے کہ:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورۂ ص)

یہ قرآن ایک کتاب مبارک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھدار لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور عدمِ تدبر کا گلہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (سورۂ نساء)

کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔

اور اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورۂ محمد)

کیا یہ تدبر نہیں کرتے قرآن پر؟ یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل؟

"تذکر" کے اعتبار سے قرآن مجید جس قدر آسان ہے واقعہ یہ ہے کہ "تدبر" کے نقطۂ نظر سے یہ اسی قدر مشکل ہے۔ اور اس سمندر میں اترنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اس کی گہرائیوں کا اندازہ ممکن ہے اور نہ اس کے کناروں ہی کا سراغ کسی کو مل سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اس امر کی تصریح ملتی ہے کہ وہ ایک ایک سورت پر تدبر و تفکر میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے حتیٰ کہ ان ہی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتے میں ایک بار ضرور قرآن مجید ختم کر لینے کی تاکید کی تھی یہ تصریح ملتی ہے کہ انہوں نے صرف سورۂ بقرہ پر تدبر میں آٹھ سال صرف کیے۔ ذرا غور فرمائیں کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کی اپنی زبان میں اور اپنی آنکھوں کے سامنے قرآن نازل ہوا تھا چنانچہ نہ تو انہیں عربی زبان اور اس کے قواعد کی تحصیل کی کوئی ضرورت تھی نہ شانِ نزول اور سُوَر و آیات کے تاریخی پس منظر کو جاننے کے لیے کھود کرید کی کوئی حاجت۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کسی عارف کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے قرآن کی عام تلاوت برائے تذکر اور اس پر گہرے غور و فکر کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک ختم تو قرآن مجید کا ہر جمعہ کو کر لیتا ہوں، ایک ختم میں ماہانہ کرتا ہوں اور ایک سالانہ۔ اور ایک اور ختم بھی ہے جس میں میں تیس سال سے مشغول ہوں اور تاحال فارغ نہیں ہو سکا۔

قرآن کو بطریقِ تدبر پڑھنے کی شرائط بڑی کڑی ہیں اور ان کا پورا کرنا اس کے بغیر ہرگز ممکن نہیں کہ ایک انسان اپنے آپ کو بس اسی کے لیے وقف کر دے اور اپنی پوری زندگی کا مصرف تعلیم و تعلّم قرآن ہی کو بنالے۔ اس کے لیے اولاً عربی زبان کے قواعد کا گہرا اور پختہ علم ضروری ہے۔ پھر اس کے ادب کا ایک ستھرا ذوق اور فصاحت اور بلاغت کا گہرا فہم لازمی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس کا صحیح فہم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ادبِ جاہلی کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور دورِ جاہلی کے شعراء و خطباء کے کلام سے ممارست بہم پہنچائی جائے پھر اسی پر بس نہیں۔ قرآن نے خود اپنی مخصوص اصطلاحات وضع کی ہیں اور اپنے خاص اسالیب ایجاد کیے ہیں جن سے انسان ایک طویل مدت تک قرآن کو پڑھتے رہنے اور اس پر غور کرتے رہنے کے بعد ہی مانوس ہوتا ہے ——!

ساتھ ہی قرآن کو سمجھنے کے لیے احادیث کے تمام ذخیرے پر انسان کی گہری نظر بھی لازمی ہے علاوہ قدیم صحفِ آسمانی کا گہرا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان ساری منزلوں سے گذر کر تو انسان اس قابل ہوتا ہے کہ قرآن کو بطریقِ تدبر پڑھ سکے۔ اس کے بعد ....

.... ایک دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں تجرباتی و عقلی دونوں قسم کے علوم ایک خاص سطح پر ہوتے ہیں اور اسی کی مناسبت سے منطق و فلسفہ، الٰہیات و مابعد الطبیعات، اخلاقیات، نفسیات اور دیگر علوم عمرانی کا ایک طومار ہوتا ہے جس سے ذہن بالعموم مرعوب ہوتے ہیں۔ ان کے پھیلائے ہوئے غلط افکار و نظریات کا توڑ اس کے بغیر قطعاً ممکن نہیں ہوتا کہ خود ان کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور ان کے اصل سرچشموں ——— (ORIGINAL SOURCES) تک رسائی بہم پہنچا کر علیٰ وجہ البصیرت ان کی جڑوں پر اسی طرح ضرب کاری لگائی جائے جس طرح اپنے اپنے وقت میں امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ رحمہما اللہ لگا چکے ہیں۔ دورِ جدید اس معاملے میں غالباً اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور علوم متذکرہ بالا کے علاوہ علوم طبیعی (PHYSICAL SCIENCES) اور فنونِ صنعتی (TECHNOLOGY) نے انتہائی بلندیوں کو چھو کر عقلِ انسانی کو اس طرح مبہوت و ششدر کر دیا ہے کہ ایک عام انسان کے لیے ان کے جلو میں آنے والے غلط نظریات و افکار پر جرح و تنقید قطعاً ناممکن ہو گئی ہے ——— اندریں حالات دورِ حاضر میں "تدبرِ قرآن" کا حق صرف اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ اصحابِ ہمت اور اربابِ عزیمت کی ایک بڑی جماعت اپنے آپ کو پوری طرح کھپا کر ایک طرف تدبرِ قرآن کی متذکرہ بالا جملہ شرائط کو پورا

کرے اور دوسری طرف جدید علوم عقلی و عمرانی کی گہری و براہِ راست مہارت بہم پہنچائے اور پھر نہ صرف یہ کہ قرآن کی روشنی میں علوم جدیدہ کے صحیح و غلط اجزاء کو بالکل علیحدہ کردے بلکہ جدید استدلال اور معروف اصطلاحات کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کے قریب ہو کر کلام کرے اور قرآن کے نورِ ہدایت کو لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے روشن کر دے! ——— تاکہ "لِتُبَيِّنَهُ لِلنَّاسِ" کا جو فریضہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ادا فرمایا ہے وہ اس دور میں آپؐ کی امت کے ذریعے پھر پورا ہو ——! اور یہ کام ظاہر ہے کہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عالمِ اسلام میں جابجا ایسی یونیورسٹیاں قائم نہ ہوں جن میں سے ہر ایک کا مرکزی شعبہ "تدبرِ قرآن" کا ہو اور اس کے گرد تمام علوم کے شعبے ہوں۔ ہر طالب علم "تدبرِ قرآن" کی لازماً اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل کرے اور اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم و ہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے مؤثر انداز میں پیش کر سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں! ـ اسی لیے اس پر ہر شخص مکلف بھی نہیں۔ یہ کام اوّل تو ہے ہی صرف ان لوگوں کے کرنے کا جو علم کی ایک فطری پیاس لے کر ہی پیدا ہوتے ہیں اور جن کے ذہنوں میں ایسے سوالات از خود پیدا ہو جاتے ہیں جن کا حل عقل کی جملہ وادیاں طے کیے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ یہ لوگ طلبِ علم پر اسی طرح مجبور ہوتے ہیں جیسے ایک بھوکا تلاشِ غذا پر یا ایک پیاسا تحصیلِ ما پر۔ ایسے ہی لوگ مسلسل ....

...... "ربِّ زِدْنِي عِلْماً" کی دعا کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر صحیح رہنمائی میسر آجائے تو علم و حکمت سے حصّہ وافر پاتے ہیں۔ "تدبرِ قرآن" اصلاً تو ایسے ہی لوگوں کے کرنے کا کام ہے۔ ویسے ہر طالبِ علم، اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی محنت کے مطابق اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے اور اس کے لیے ایک عام تشویق ہی کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" — "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔"

اور قرآن حکیم نے ایک عام ہدایت دی ہے کہ:۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (سورۃ توبہ) — پس کیوں نہ نکلا ہر ہر فرقے میں سے ان کا ایک گروہ تاکہ سمجھ پیدا کرے دین میں۔

یہ "تفقہ فی الدین" "تدبرِ قرآن" کا وہ ثمرہ ہے جس کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چیدہ

چیدہ صحابہؓ کے لیے دعا فرمائی ہے اور جس کا آپ نے "خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ" کے نکتے کے ساتھ بطورِ شرط تذکرہ فرمایا ہے یعنی یہ کہ "إِذَا فَقِهُوا"[1]

(جاری)

(اس تقریر کا بقیہ حصہ جو قرآن مجید کے مسلمانوں پر چوتھے اور اہم ترین حق یعنی حکم و عمل: بالقرآن کی وضاحت اور خاتمۂ کلام پر مشتمل ہے۔ آئندہ شمارے میں شائع ہوگا۔ اور اس کے متصلاً بعد ان شاء اللہ العزیز راقم کی ایک اور تقریر جو اس تقریر کے فوراً بعد جامع مسجد خضراء سمن آباد لاہور میں "حکمت و احکامِ جمعہ" کے موضوع پر دو جمعوں میں کی گئی تھی، شائع ہوگی۔ اس لیے کہ راقم کے نزدیک جمعہ کا ایک گہرا تعلق قرآن مجید کے ساتھ ہے اور جمعہ دراصل تعلیمِ قرآن ہی کا ایک وسیع و عظیم نظام ہے۔

بیدہ التوفیق وعلیہ التکلان ——— (اسرار احمد)

---

[1] تم میں سے جو لوگ دورِ جاہلیت میں سب سے اچھے تھے وہی اسلام میں بھی سب سے اچھے ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔

از ۲۶

نتیجہ: ذات پات کی تمیز کا سدِّباب (نئی بہار (اسلام) کے پُر درد) ہیں۔

آپ کا یہ اعلان آج بھی آپ کے مزار کی لوح پر کندہ ہے اور ہم سے لبیک کہنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ نیز ذات پات کی تمیز کے سدِّباب کا بھی نمایاں طور پر مسلسل تبلیغی فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔

افسوس کہ اس قدر عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہمیں خود اس پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں کو عمل پیرا کرانے کی توفیق نہیں۔ دوسرے معنوں میں ہم نے اپنے حقیقی مقصدِ زندگی (تبلیغی فریضہ) کو نہیں پہچانا۔ یاد رہے کہ روزِ حساب جب اللہ تعالیٰ کے ہاں اس امر کی پرسش ہوگی کہ ؎

حرفِ حق از حضرتِ ما بُردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

تبرکاتِ فراہیؒ

دلائل النظام

مولانا امین احسن اصلاحی

(برادرم خالد مسعود صاحب چونکہ مسلسل دو تین ماہ سفر میں رہے۔ لہٰذا افاداتِ فراہیؒ کی قسط شاملِ اشاعت نہیں ہو سکی ادھر دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ سے مولانا فراہیؒ کی کتاب "دلائل النظام" طبع ہو کر آ گئی۔ اس پر ایک تعارفی نوٹ مولانا اصلاحی نے تحریر فرمایا ہے جو افاداتِ فراہیؒ کی جگہ پیشِ خدمت ہے۔ ایڈیٹر)

دائرہ حمیدیہ (مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی، بھارت) قابلِ صد مبارکباد ہے کہ اس نے مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ تصنیفات کی اشاعت کا کام باقاعدہ شروع کر دیا ہے۔ پچھلے دنوں مولاناؒ کے عربی اور فارسی کلام کے مجموعے ادارۂ مذکور کے اہتمام میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس نے مولاناؒ کی فنی تصنیفات کو ہاتھ لگایا ہے اور اس کی پہلی قسط دلائل النظام کی صورت میں نہایت دیدہ زیب ٹائپ میں چھپی ہوئی ہمیں موصول ہوئی ہے۔ اس کتاب کو دیکھ کر دل کو جو مسرت ہوئی ہے میں لفظوں میں اس کو بیان نہیں کر سکتا جب موت کا خیال آتا تھا تو اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی سوہانِ رُوح ہوتا تھا کہ استاد مرحوم کے مسودات کی امانت کا حق میں ادا نہ کر سکا۔ اب اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ یہ بوجھ میرے دل پر سے اترا اس لیے کہ مجھ سے زیادہ اس کام کی صلاحیت رکھنے والے میرے ایک عزیز شاگرد اور بھائی نے اس کام کو سنبھال لیا ہے۔

مولانا بدر الدین اصلاحی جو دائرہ حمیدیہ کے ناظم اور ان مسودات کے جامع و مرتب ہیں۔ مدتوں میرے بھی تمام علمی کاموں میں دست و بازو رہ چکے ہیں اور مولانا فراہیؒ کے شاگردِ خاص مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم سے بھی انہوں نے بڑا استفادہ کیا ہے۔ بالخصوص مولانا مرحوم کے مسودات کے نشیب و فراز سمجھنے میں تو مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم کے بعد وہ واحد شخص ہیں جن پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ابتدا ہی سے ان مسودات کے نقل و تبییض کی خدمت انہی کے سپرد رہی ہے۔ اس وجہ سے ان کے ورق ورق کی قدر و قیمت اور ان کے موقع و محل کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور مولانا کے افکار و علوم سے ان کو جو گہری دل بستگی ہے اس کی بنا پر ان سے توقع یہی ہے کہ وہ بھی جان کی بازی لگا کر یہ کام کریں گے اور انشاء اللہ نہایت اچھے معیار پر کریں گے۔

زیرِ نظر کتاب ــــ دلائل النظام ــــ ، ۱۲۷ صفحات میں آئی ہے۔ اس میں مولاناؒ نے قرآن میں نظم کے وجود پر دلائل بھی دیے ہیں۔ دین میں اس کی عظمت و اہمیت بھی واضح کی

ہے، ان لوگوں کے شبہات و اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں جو نظم کے منکر یا اس باب میں متردد ہیں اور وہ اصول بھی بیان فرمائے ہیں جو طالبِ نظم کی رہنمائی کے لیے ضروری ہیں۔ اگرچہ موضوع سے متعلق باتیں اس کتاب میں ساری ہی آ گئی ہیں لیکن یہ اس شکل میں نہیں آئی ہیں جو ایک مرتب کتاب کی ہوتی ہے بلکہ مصنفؒ نے اپنی اصلی کتاب کے لیے جو یادداشتیں لکھی تھیں وہ مرتب نے ایک مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر دی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مصنف کی اصل کتاب اور اس کی یادداشتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق یہاں بھی موجود ہے لیکن ان لوگوں کے لیے ان یادداشتوں کے اندر بڑی قیمتی رہنمائی ہے جو قرآن پر تدبر کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کی یادداشتوں سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کو اردو میں منتقل کرنے کی توفیق بخشی تو میں حواشی میں اس خلا کو بھرنے کی کوشش کروں گا جو اس میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اس وقت یہ کتاب انشاء اللہ عام اہلِ علم کے لیے بھی نہایت مفید ہو جائے گی۔

اس قسم کی علمی و فنی چیزیں چھاپنا اور شائع کرنا کسی زمانہ میں دنیوی نقطہ نظر سے کوئی نفع بخش کام رہا ہو تو رہا ہو اس زمانے میں تو یہ کام محض قربانی ہی قربانی ہے لیکن علم بالخصوص علمِ قرآن کی راہ میں یہ قربانی سعادتِ دارین ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ ہمیں دائرہ حمیدیہ کے کارکنوں سے توقع ہے کہ وہ صرف خدمتِ کتاب اللہ کو نصب العین بنا کر یہ علمی جہاد جاری رکھیں گے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

ہم پاکستان اور ہندوستان کے ان تمام اصحابِ علم سے جو قرآن کا ذوق رکھتے ہیں یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ دائرہ حمیدیہ کی ان خدمات کی قدر کریں۔ اگر دائرہ حمیدیہ اپنا کام جاری رکھ سکا تو انشاء اللہ استاد مرحوم کی ایسی ایسی چیزیں سامنے آئیں گی جو جواہرات سے زیادہ قیمتی ہوں گی۔ مولانا کے قرآنی افکار کا بہت بڑا حصہ ابھی مسودات کی شکل میں ہے اور خاص کر ان کا وہ حصہ تو بڑا ہی اہم ہے جو حکمتِ قرآن اور فلسفۂ اسلام سے متعلق ہے۔ میری ناچیز تالیفات میں جو کہیں کہیں علم کی کوئی جھلک نظر آ جاتی ہے یہ استادؒ ہی کا فیض ہے۔ ورنہ اپنے پاس سخن سازی اور لفاظی کے سوا اور کیا دھرا ہے۔

کتاب کی قیمت ۴ روپے ہے۔ دائرہ حمیدیہ کے مذکورہ بالا پتہ سے حاصل ہو سکے گی، اور یہاں کے قدر دان اس کے حصول کے لیے مکتبہ "میثاق" کو بھی واسطہ بنا سکتے ہیں۔

ہم سے طلب فرمائیے!

تصانیف مولانا فراہیؒ

تفاسیر

	قیمت		
مقدمہ تفسیر نظام القرآن		۰٫۹۰	روپے
تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	″	۰٫۴۵	″
تفسیر سورہ قیامہ	″	۰٫۶۰	″
″ ″ والشمس	″	۰٫۵۰	″
″ ″ فیل	″	۱٫۰۰	″
″ ″ ذاریات	″	۱٫۳۰	″
″ ″ مرسلات	″	۰٫۶۰	″
″ ″ والتین	″	۰٫۷۰	″
″ ″ کوثر	″	۱٫۱۰	″
″ ″ لہب	″	۰٫۷۰	″
″ ″ تحریم	″	۰٫۷۰	″
″ ″ عبس	″	۰٫۷۰	″
″ ″ والعصر	″	۰٫۶۰	″
″ ″ کافرون	″	۰٫۴۵	″
″ ″ اخلاص	″	۰٫۴۵	″
اقسام القرآن	″	۱٫۳۰	″
ذبیح کون ہے؟	″	۱٫۷۰	″

لغت و ادب

- **اسباق النحو**
  حصہ اول: ۱٫۴۰ روپے
  حصہ دوم: ۱٫۰۰ ″
- **امثال آصف الحکیم**
  قیمت: ۱٫۳۷ روپے
- **جمہرۃ البلاغہ**
  قیمت: ۱٫۵۰ روپے
- **مفردات القرآن**
  قیمت: ۱٫۸۰ روپے
- **دیوان عربی**
  قیمت: ۱٫۵۰ روپے
- **نوائے پہلوی**
  (دیوان فارسی)
  قیمت: ۴٫۰۰ روپے

★

دارالاشاعت الاسلامیہ کرشن نگر لاہور — فون نمبر ۶۹۵۲۲

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورہ مائدہ

(۲)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۴)

"یسئلونک ماذا احل لھم" سوال قرآن کے معروف اسلوب بیان کے مطابق اختصار کے ساتھ نقل ہوا ہے لیکن جواب بتا رہا ہے کہ سوال سدھائے اور سکھائے ہوئے جانوروں کے پکڑے ہوئے شکار سے متعلق ہے کہ اگر وہ شکار پکڑیں اور شکار ذبح کی نوبت آنے سے پہلے ہی دم توڑ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوا ہوگا کہ اوپر والی آیت میں درندے کے پھاڑے ہوئے جانور کو صرف اس صورت میں جائز بتایا ہے جب اس کو زندہ حالت میں ذبح کر لیا جائے۔

"قل احل لکم الطیبت" یہ جواب کا صرف ایک حصہ ہے جو ایک کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کا یہ بھی ایک اسلوب ہے کہ وہ کسی سوال کا جواب دیتا ہے تو اس کا آغاز بالعموم جامع بات سے کرتا ہے کہ جواب صرف سوال ہی تک محدود نہ رہ جائے بلکہ ایک وسیع دائرے میں سائل کی رہنمائی کرے۔ چنانچہ پہلے فرمایا کہ تمہارے لئے "طیبات" حلال ہیں۔ "طیبات" کا لفظ خبائث کا ضد ہے۔ طیبات، اچھی، ستھری اور پاکیزہ چیزوں کو کہتے ہیں۔ سوال چونکہ جانوروں سے متعلق ہے اس وجہ سے اس سے مراد وہ جانور ہوں گے جو اول تو خود اپنے مزاج، اپنی سرشت اور انسان کے لئے اپنی افادیت اور اپنے اثرات کے لحاظ سے اچھے اور پاکیزہ ہوں ثانیاً ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر لیا گیا ہو۔ اس طرح اس سے وہ تمام جانور نکل جائیں گے جو اپنے مزاج اور سرشت کے اعتبار سے

انسان کے صالح مزاج سے مناسبت رکھنے والے نہ ہوں مثلاً خنزیر، کتے، بندر، درندے اور شکاری پرندے وغیرہ یا مزاج سے مناسبت رکھنے والے تو ہوں لیکن کسی خارجی سبب سے ان کے اندر خبث و فساد پیدا ہو گیا ہو، مثلاً جانور مر گیا ہو، غیر اللہ کے نام پر یا کسی استھان پر اس کو ذبح کیا گیا ہو۔ یہ خبائث میں داخل ہیں۔ قرآن کے اس جواب سے یہ رہنمائی ملی کہ شکار کئے ہوئے جانوروں میں بھی حلال صرف طیبات ہیں، خبائث اس حلت سے خارج ہیں۔

"وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم اللہ"، جوارح، شکاری جانوروں کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ درندوں میں سے ہوں مثلاً کتے، شیر، چیتے وغیرہ یا پرندوں میں سے مثلاً باز اور شکرے وغیرہ۔

'کلب' کتے کو کہتے ہیں اسی سے 'تکلیب' بنایا ہے جس کے معنی کتے کو شکار کی ٹریننگ دینے کے ہیں۔ ابتداً تو یہ لفظ اسی معنی کے لیے استعمال ہوا لیکن پھر اس کا استعمال شکاری جانوروں کی تربیت کے لئے عام ہو گیا، خواہ کتا ہو یا شکاری درندوں اور پرندوں میں سے کوئی اور جانور۔ 'تعلمونهن مما علمکم اللہ'، سے اس تربیت اور ٹریننگ کی نوعیت کا اظہار ہو رہا ہے کہ تم نے اس سلیقہ میں سے ان کو کچھ بتایا اور سکھایا ہو جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر تربیت میں مربی کے ذوق، اس کی پسند و ناپسند اور اس کے مقصد تربیت کی جھلک ہوتی ہے اور اس چیز کو جس طرح زیر تربیت انسان اپناتا ہے اسی طرح اپنی جبلی استعداد کے حد تک حیوانات بھی اپناتے ہیں۔ یہ چیز سدھائے ہوئے جانور کو دوسرے جانوروں سے بالکل ممیز کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے ایک عام کتے کے شکار اور ایک سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں فرق ایک امر فطری ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے اور ایک عیسائی کے تربیت کردہ کتے کے میلان اور سلیقہ میں بھی فرق ہو جائے گا۔ میرے نزدیک 'تعلمونهن مما علمکم اللہ' کے الفاظ سے اسی خاص سلیقہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو کسی سدھائے ہوئے جانور کو اس کے مسلمان مربی سے ملتا ہے۔ اپنے اس سلیقہ کی وجہ سے یہ جانور اپنے مربی کا آلہ اور جارحہ بن جاتا ہے اور اس کا کیا ہوا شکار اس کے لئے اسی طرح طیب بن جاتا ہے جس طرح اس کے اپنے ہاتھ کا ذبیحہ۔

"فکلوا مما امسکن علیکم"، امساک کے معنی روکنے اور تھامنے کے ہیں اور جب اس کے ساتھ 'علی' کے صلہ آئے 'امسک علیک زوجک' میں ہے تو اس کے اندر اختصاص کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے یعنی کسی شے کو کسی خاص کے لئے روک رکھنا یا بند رکھنا ۔۔ اب یہ سوال کا اصل جواب

ہے۔ فرمایا کہ اگر مذکورہ شرائط کے مطابق تربیت کیا ہوا جانور ہو تو اس کے کئے ہوئے شکاروں میں سے وہ شکار تمہارے لئے جائز ہوگا جو وہ خاص تمہارے لئے روک رکھے۔ چونکہ یہاں اختصاص کا مضمون پایا جاتا ہے اس وجہ سے میں ان لوگوں کے مذہب کو زیادہ قوی سمجھتا ہوں جو کہتے ہیں کہ شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھائے تو وہ شکار جائز نہ ہوگا۔ یہی بات بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ میرے نزدیک اس معاملے میں درندے اور پرندے کے شکار کے درمیان فرق کرنے کی بھی کوئی قوی بنیاد نہیں ہے۔ اس حد تک تربیت جس طرح درندے قبول کر لیتے ہیں، تجربہ کار بتاتے ہیں کہ باز، عقاب، شاہین بھی قبول کر لیتے ہیں۔

'واذکروا اسم اللہ علیہ'، میں ضمیر مجرور کے مرجع سے متعلق سلف سے تین قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ شکاری جانور کو چھوڑتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو، اس قول کے قائلین کے نزدیک مرجع 'ما علمتم' ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر شکار زندہ ہاتھ آ گیا ہو تو اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرو، اس گروہ کے نزدیک مرجع 'ما امسکن' ہے۔ تیسرا یہ کہ اس شکار کو کھاتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ ان لوگوں کے نزدیک اس کا تعلق 'فکلوا' سے ہے۔ ان میں سے پہلے قول کی تائید میں ایک حدیث ہے جو بخاری میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اگر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑوں اور کوئی دوسرا کتا بھی اس میں شریک بن جائے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا شکار نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اللہ کا نام اپنے کتے پر لیا ہے، دوسرے کتے پر نہیں لیا ہے۔

دوسرے قول میں یہ ضعف ہے کہ جب اوپر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ درندے کا کھایا ہوا شکار اگر زندہ ہاتھ آ جائے تو اس کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو تو تربیت یافتہ جانور کے شکار سے متعلق بعینہٖ اسی حکم کا اعادہ ایک بالکل غیر ضروری بات کا اعادہ ہے۔

تیسرے قول میں اس طرح کا کوئی ضعف یا اشکال اگرچہ نہیں ہے لیکن یہ بات عام آداب طعام سے تعلق رکھنے والی بات ہے، یہاں اس کا محل سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سوال اور اس کے جواب کی یہ اہمیت ملحوظ رہے کہ شکار عرب میں محض ایک شوقیہ تفریح نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں اس کو معاش کے ایک اہم ذریعے کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کی معاش کا انحصار تین چیزوں پر تھا، گلہ بانی، تجارت، شکار۔ اس معاشی اہمیت کے سبب سے ان کے ہاں شکاری جانوروں کی تربیت کا فن بھی کافی ترقی کر گیا تھا۔ امرأ القیس جب اپنے شعروں میں اپنی کتیا کا ذکر کرتا ہے تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کسی کتیا کا ذکر ہے یا کسی شعلہ صفت پُرفن قتالہ کا، اور یہ چیز کچھ عرب

ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کی تمام بادیہ نشین قوموں کی یہ مشترک خصوصیت ہے۔ اس وجہ سے حلت و حرمت کی اس بحث میں یہ سوال پیدا ہوا اور قرآن نے اس کا جواب دیا اور اس جواب سے یہ حقیقت نہایت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ حلت و حرمت اور پاکی و ناپاکی کے حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے شکار و فن شکار اور شکاری جانور ہر چیز کی اسلام نے عزت بڑھائی ہے۔ ایک تربیت پائے ہوئے درندے کی یہ عزت بڑھائی کہ اس کا پکڑا ہوا شکار اگر ذبح سے پہلے ہی دم توڑ دے جب بھی طیب ہے۔ اس فن تربیت کی عزت یہ بڑھائی کہ اس کو تعلیم الٰہی کا ایک جزو قرار دیا، اور یہ رہنمائی دی کہ کتوں اور درندوں کی تربیت کے معاملے میں بھی ایک مسلمان کو اپنے مخصوص اسلامی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھنا چاہئیے گویا اسلام میں فن شکار بھی دوسروں کے فن شکار سے مختلف مزاج رکھتا ہے۔

آخر میں " واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب " فرما کر اللہ کے مقرر کردہ حدود و احکام اور اس کے عہد و پیمان کے احترام کی یاددہانی یہاں بھی فرما دی کہ شکار کی حرص و ہوس میں خدا کے حدود و حلت و حرمت کو نہ بھول جانا ورنہ روز حساب بہت دور نہیں ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۵)

اس آیت میں کوئی مشکل لفظ یا مشکل ترکیب نہیں ہے۔ اس کے تمام اجزاء پچھلی سورتوں میں زیر بحث آچکے ہیں۔ البتہ اس کا موقع و محل اچھی طرح سمجھ لینے کا ہے۔

یہ آیت اس انعام عام کا اعلان ہے جو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے سے تمام دنیا پر عموماً اور اہل کتاب پر خصوصاً ہونے والا تھا۔ پچھلے صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق جو پیشین گوئیاں وارد ہیں اور جن میں سے بعض کا حوالہ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر میں ہم دے چکے ہیں ان میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب آخری نبی آئیں گے تو اہل کتاب کو طیبات و خبائث سے متعلق خدا کے امر و نہی سے آگاہ کریں گے اور حلال و حرام کے باب میں ان تمام پابندیوں اور بیڑیوں سے ان کو آزاد کریں گے جو انہوں نے اپنے اوپر یا تو از خود عائد کر رکھی ہیں یا ان کی

سرکشی کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عاید کر دی ہیں۔ قرآن مجید نے ان پیشین گوئیوں کا حوالہ سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں دیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

جو لوگ اس رسول اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو جائز کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان سے ان کے اس بوجھ اور ان پابندیوں کو دور کرتا ہے جو ان پر تھیں تو جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی تائید و نصرت کریں گے اور اس روشنی کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے۔

یہ انہی باتوں کا حوالہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ظہور میں آنے والی تھیں چنانچہ آپ کے وجود باجود نے ان میں سے ایک ایک بات کی عملاً تصدیق فرما دی۔ آپ نے تمام طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو جائز ٹھہرایا جن میں سے بعض یہود کے ہاں حرام تھیں، تمام خبیث چیزوں کو حرام ٹھہرایا جن میں سے بعض یہود و نصاریٰ نے جایز بنالی تھیں اور ان تمام پابندیوں اور بیڑیوں کو بھی ختم کیا جو انہوں نے یا تو از خود اپنے اوپر لاد رکھی تھیں یا ان کی ضد، سرکشی، کج بحثی اور کٹ حجتی کے باعث ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کر دی گئی تھیں[1]۔ اس مرحلے میں آکر چونکہ یہ کام مکمل ہو چکا تھا اور یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ اہل کتاب نے جن خبیث چیزوں کو جائز بنایا ہے یہ ان کی اپنی بدعتوں کا کرشمہ ہے، اور جن طیب چیزوں کو حرام قرار دے رکھا ہے یہ محض ان کی ہٹ کا نتیجہ ہے، انہی

[1] اس کی تفصیل انعام آیت ۱۴۶ کے تحت آئے گی۔

کی بعثت کے بعد اب یہ پابندیاں ختم ہوگئیں تو مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی کہ حرام و حلال اور خبیث و طیب کی اس وضاحت کے بعد اب تم اہل کتاب کا کھانا کھا سکتے ہو اس لئے کہ اب تمہارے لیے کسی خبیث سے آلودہ ہوجانے کا اندیشہ نہیں رہا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ تمہارا کھانا اہل کتاب کے لیے جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق نبی امی ؐ کی بعثت کے بعد اب وہ تمام پابندیاں ختم ہوگئیں جو ان پر عاید تھیں۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ یہود منتظر کب تھے کہ قرآن ان کے لیے مسلمانوں کے کھانے کے جائز ہونے کا اعلان کرے، پھر اس کا فائدہ کیا، یہ تو منت کرم داشتن کے قسم کی بات ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود منتظر تو تھے اور منتظر ہوتے کیوں نہ جب کہ ان کے اپنے صحیفوں میں آخری نبی کی پیشین گوئی اس تصریح کے ساتھ موجود تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو تمام اصر و اغلال سے نجات دیگے لیکن ان کی بدقسمتی سے اس نبی کی بعثت ان کے حریفوں یعنی بنی اسمٰعیل کے اندر ہوئی اس وجہ سے جان بوجھ کر، جیسا کہ بقرہ اور آل عمران میں وضاحت ہو چکی ہے، وہ اس کی مخالفت کے درپے ہوگئے اور اس حسد میں انہوں نے اپنے آپ کو ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے محروم کر لیا جن کے سب سے پہلے حقدار وہی تھے اگر وہ نبی امی ؐ پر ایمان لاتے۔

پھر فرض کیجئے، بنی اسرائیل اس کے منتظر نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ان سے فرمایا تھا اس کو تو پورا کرنا تھا ان سے جب یہ وعدہ تھا کہ آخری نبی ؐ کے ذریعے سے کھانے پینے کے معاملے میں وہ تمام پابندیاں ان سے اٹھالی جائیں گی جو ان کی سرکشی کے سبب سے عائد ہوئی ہیں تو جب اس وعدے کے پورا کرنے کا وقت آیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا کھانا ان کے لئے جائز کر کے یہ وعدہ پورا کر دیا۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے اس کی قدر نہیں کی تو یہ ان کی اپنی محرومی و بدقسمتی ہے۔ ان کی نالائقی کی وجہ سے آخر خدا اپنے وعدے کو کیوں ملتوی کرتا؟ سورج چمکتا ہے خواہ کوئی اپنی آنکھیں بند رکھے یا کھلی رکھے، نسیم صبح اپنی عطر بیزیوں سے ہر مشام جان کو معطر کرنا چاہتی ہے اور اس کے فیض عام کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر ایک کو فیض یاب کرے لیکن جو محروم القسمت اپنی ناک اور اپنے منہ بند کر لیتے ہیں وہ اس سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح رب کریم نے جو سفرۂ نعمت اس امت کے ذریعے سے تمام دنیا کے آگے بچھانا چاہا تھا وہ بچھا دیا اور اس سے متمتع ہونے کی دعوت اہل کتاب کو بھی دے دی، انہوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کے کھانے پینے کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت جو دی گئی ہے وہ اس وقت دی گئی ہے جب ان کو اس باب کی آخری ہدایات سے آگاہ کیا جا چکا ہے، جب کہ حلال و حرام دونوں اچھی طرح واضح کر دیئے گئے ہیں، جب کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں کی بدعات کی تفصیل ان کو سنا دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سارے اہتمام کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ تم دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھو لیکن حلت و حرمت کے ان حدود کی پابندی کے ساتھ جو تمہارے لئے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اس آیت میں "الیوم" کا لفظ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب تمہیں خبیث و طیب کا پورا امتیاز حاصل ہو چکا ہے اس وجہ سے تمہیں یہ اجازت دی جا رہی ہے، یہ خطرہ نہیں رہا کہ تم ان کے دسترخوان پر بیٹھ کر کسی حرام یا مشتبہ میں مبتلا ہو جاؤ گے[1]

اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح تمہارے لئے شریف اور پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح شریف اور پاک دامن کتابیات سے بھی نکاح جائز ہے۔ یہاں لفظ 'محصنات' استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تین معنوں میں آیا ہے اور ہم اس کے تینوں معنوں کی وضاحت دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد باعزت، شریف اور اچھے اخلاق کی عورتیں ہیں۔ یعنی یہ اجازت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ یہ عورتیں بد چلن، پیشہ ور، آوارہ اور بدقوارہ نہ ہوں۔ جس طرح تمہارے لئے ان کے دسترخوان کی صرف طیبات جائز ہیں اسی طرح ان کی عورتوں میں سے صرف محصنات جائز ہیں۔

یہ شرط خود قرآن کے الفاظ سے نکلتی ہے۔ ہمارے سلف صالحین میں سے ایک گروہ نے دار الحرب اور دار الکفر میں کتابیات سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے جواز کے لئے دارالاسلام ہونا بھی ایک شرط ہے۔ مجھے یہ قول بہت ہی قوی معلوم ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات انہوں نے فحوائے کلام سے مستنبط کی ہے۔ میں اس کے ماخذ کے لئے لفظ 'الیوم' کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی دخل ہے۔ اوپر 'الیوم یئس الذین کفروا' اور 'الیوم اکملت لکم' والی آیات بھی گزر چکی ہیں اور 'فلا تخشوہم واخشون' بھی ارشاد ہو چکا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس دور میں کفار کا دبدبہ ختم ہو چکا

[1] اہل کتاب کے ذبیحہ کے جواز کے لئے بھی کسوٹی یہی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔

تھا اور مسلمان ایک ناقابل شکست طاقت بن چکے تھے۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ اگر ان کو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی تو وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا ہو کر تہذیب اور معاشرت اور اعمال و اخلاق میں ان سے متاثر ہوں گے۔ بلکہ توقع تھی کہ مسلمان ان سے نکاح کریں گے تو ان کو متاثر کریں گے اور اس راہ سے ان کتابیات کے عقائد و اعمال میں خوشگوار تبدیلی ہوگی اور عجب نہیں کہ ان میں بہت سی ایمان و اسلام سے مشرف ہو جائیں۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ کتابیات سے نکاح کی اجازت بہرحال علی سبیل التنزل دی گئی ہے۔ اس میں آدمی کے خود اپنے اور اس کے آل و اولاد و خاندان کے دین و ایمان کے لیے جو خطرہ ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مردوں کو تو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی لیکن مسلمان عورت کو کسی صورت میں بھی کسی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی خواہ وہ کتابی ہو یا غیر کتابی۔ یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اجازت صرف ایک اجازت ہے۔ یہ کوئی مستحسن چیز نہیں ہے۔ اگر ماحول اسلامی تہذیب و معاشرت کا ہو اور آدمی کسی نیک چال چلن کی کتابیہ سے نکاح کر لے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن کافرانہ ماحول میں جہاں کفر و اہل کفر کا غلبہ ہو اس قسم کا نکاح چاہے آیت کے الفاظ کے خلاف نہ ہو لیکن اس کے فحوٰی، اس کی روح اور اس کے موقع و محل کے خلاف ضرور ہے۔

یہ بات یہاں چنداں یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام کے بہت سے قوانین اللہ اسلام کی شرطوں کے ساتھ مشروط ہیں اسی طرح بعض رخصتیں اور اجازتیں بھی خاص ماحول اور خاص حالات کے ساتھ مشروط ہیں۔ آگے اس سلسلے کی بعض اہم باتیں بیان ہوں گی۔

'محصنین غیر مسافحین' پر ہم تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء کی آیات ۲۴-۲۵ کے تحت بحث کر چکے ہیں۔

کفر بالایمان کا مطلب

'ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ' کفر بالایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا اور رسول کو ماننے کا دعویٰ بھی کرے اور ساتھ ہی خدا اور رسول کے احکام کے صریح خلاف محض اپنی خواہشات کی اتباع میں قانون و شریعت ایجاد کرکے ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ یہ وہی ایمان ہے جس کو قرآن نے نؤمن ببعض ونکفر ببعض سے تعبیر کیا ہے کفر و ایمان دونوں کے اس ملغوبہ کی خدا کے ہاں کوئی پوچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان صرف وہ معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے شرائط پر ہے جو لوگ اپنے شرائط پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان ان مدعیان ایمان کے منہ پر پھینک مارا جائے گا اور اس قسم کے ایمان کے تحت کئے ہوئے سارے اعمال خدا کے ہاں ڈھے جائیں گے۔ اس پر پیچھے بھی بحث گزر چکی ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون۔ آیت ۶-۱۱

اوپر طعام و نکاح کے باب کے طیبات و خبائث کا ذکر فرما کر ان کی تطہیر فرمائی، اب نماز کی طہارت کا بیان آرہا ہے۔ نماز کی طہارت وضو ہے اور بصورت جنابت غسل اسی ذیل میں پانی نہ ملنے یا کسی عذر کی صورت میں تیمم کی اجازت مرحمت فرمائی جو اس امت پر اتمام نعمت ہے اور یہ اس باب کا تکمیلی حکم ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں جو اتمام نعمت فرمایا ہے اس کی یاد دہانی کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ تم سمعنا و اطعنا کہہ کر خدا کے ساتھ جس عہد میں شریک ہوئے ہو اس کو برابر یاد رکھنا۔ اللہ سے ڈرتے رہنا خدا سے کوئی بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہنے والی، وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔

اس کے بعد قیام بالقسط اور شہادت علی الناس کے جس منصب پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مامور فرمایا ہے اس کی یاد دہانی فرما دی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اب اس دنیا میں حق و عدل کی میزان وہی ہیں۔ اگر انہوں نے انحراف اختیار کیا تو ہر چیز ٹیڑھی ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں انحراف کے اس سب سے بڑے محرک کا بھی حوالہ دیا جو پچھلی امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہو چکا ہے تاکہ یہ امت اس سے اچھی طرح ہوشیار رہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرما دیا کہ اگر تم موافق و مخالف سب کے لیے حق و عدل پر قائم رہنے والے ثابت ہوئے تو آخرت کا اجر عظیم بھی تمہارے لیے ہے اور دنیا میں بھی تم ہی کامیاب و بامراد رہو گے۔ تمہارے دشمن تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اے ایمان والو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو غسل کر لو، اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو یا عورتوں سے ملاقات کی ہو پھر پانی نہ پاؤ تو پاک جگہ دیکھ کر اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم اس کے شکرگزار رہو۔ ۶

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا، جب کہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سینوں کے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔ اے ایمان والو، عدل کے علم بردار بنو اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ اے ایمان والو، اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کرے تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھ کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ ہی پر چاہیے کہ اہلِ ایمان بھروسہ کریں۔ ۷-۱۱

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ، قَامَ کے صلہ جب اِلیٰ آتا ہے تو اس کے معنی قصد کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی جب تم نماز کا قصد کرو تو اس

کے لیے طہارت حاصل کر لو۔ پھر اس طہارت کا طریقہ بتایا ہے جو خود بھی واضح ہے اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے اور عقل و فطرت گواہی دیتی ہے کہ ایک مرتبہ کی حاصل کردہ طہارت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کوئی ناقض حالت پیش نہ آجائے۔ اس وجہ سے یہ ہدایت اس حالت کے لیے ہے جب آدمی کا وضو باقی نہ ہو۔ اگر باقی ہو تو تازہ وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نشاط و انبساط حاصل کرنے کے لیے تازہ وضو کرے تو یہ فضیلت تو ضرور ہے لیکن یہ شریعت کا مطالبہ نہیں ہے۔

رہے یہ سوالات کہ دھونے کا طریقہ کیا ہے۔ مذکورہ اعضاء ایک ایک بار دھوئے جائیں یا دو دو، تین تین بار مل مل کے دھوئے جائیں یا صرف پانی بہا لیا جائے۔ کنپٹی، داڑھی اور کہنیوں کے معاملے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے تو ان کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ آداب سے ہے اور آداب سیکھنے کا بہترین ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ کی سنت سے جو باتیں ثابت ہوں خواہ اس کی شکلیں مختلف ہوں، سب میں خیر و برکت ہے۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ، مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں اور 'ب' اس طرح کے مواقع میں احاطہ کے مفہوم پر دلیل ہوتا ہے اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کے قائل ہیں۔ اگرچہ عمامہ وغیرہ کی صورت میں رفعِ زحمت کے پہلو سے سر کے جزوی حصے کا مسح بھی کافی ہے۔

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ، اس کا عطف 'ایدیکم' پر ہے۔ اس وجہ سے یہ ان اعضاء کے تحت داخل ہے جن کے لیے دھونے کا حکم ہے۔ وضو میں اعضاء کی ترتیب واضح کرنے کے لیے اس کو موخر کر دیا گیا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ترتیب فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔ بعض لوگوں نے اس کو مسح کے تحت داخل کیا ہے۔ لیکن یہ قول متواتر قرأت اور متواتر سنت کے بھی خلاف ہے اور عربیت کے بھی۔ اگر پاؤں کا مسح ہوتا تو اس کے ساتھ 'الی الکعبین' کی قید بالکل غیر ضروری تھی۔ چنانچہ دیکھیے، وضو میں ہاتھ دھونے کے لیے 'الی المرافق' کی قید لگائی ہے لیکن تیمم میں جہاں مسح کا حکم دیا ہے 'الی المرافق' کی پابندی اٹھا دی اس لیے کہ مسح میں اس قسم کی پابندی ایک بالکل غیر مفید بات تھی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا الآیہ، یہ ٹکڑا معمولی تغیرِ الفاظ کے ساتھ سورۂ نساء آیت ۴۳ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ہم تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کر چکے ہیں۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ الآیہ۔ یہ اس حکم کی علت و حکمت بیان ہو رہی ہے۔ اگر کچھ

لوگوں نے ان پابندیوں کو سخت محسوس کیا ہو تو ان پر ان کی افادیت واضح ہو جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ غیر عادی طبائع پر غسل اور وضو کی یہ پابندی بڑی شاق اور بڑی آزمائش کی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی بندوں کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں عاید کی ہے۔ اگر مشقت مقصود ہوتی تو بیماری اور سفر وغیرہ کی حالت میں تیمم کی اجازت کیوں مرحمت ہوتی؟ بلکہ یہ بندوں کو پاکیزہ بنانے کے لیے عاید کی گئی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ خدا اور اس کے قدوسیوں کا قرب حاصل کرنے کے اہل ہو سکیں۔ اصلاً تو پاکیزگی باطن کی مطلوب ہے اور نماز باطن ہی کی پاکیزگی کے لیے فرض کی گئی ہے لیکن ظاہر اور باطن میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ اس لیے اسلام نے نماز کے لیے وضو کا حکم دیا ہے اور ناپاکی کی حالت ہو تو غسل کا۔ یہ چیز اس باطنی طہارت کے حصول میں معین ہے جو نماز کا اصل مقصود ہے۔

'وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کے باب میں وضو اور تیمم کے ان احکام کے بعد اللہ کی نعمت تم پر تمام کی گئی۔ سورہ نساء میں تیمم پر بحث کرتے ہوئے ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ یہود کے ہاں طہارت کے معاملے میں بڑی سخت قیدیں اور پابندیاں تھیں۔ اوّل تو ان کی شریعت کے احکام تھے ہی سخت، پھر ان پر مزید اضافہ ان کے فقہا کے تشددات نے کر دیا تھا۔ تیمم کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا اور یہ بات تو ان کے ہاں انتہائی بددینی تھی کہ کوئی شخص حدث و جنابت کی حالت میں خواہ کیسی ہی معذوری و مجبوری ہو مجرد تیمم پر اکتفا کر کے نماز پڑھ لے۔ چنانچہ قرآن میں جب تیمم کی اجازت نازل ہوئی تو اس کا انھوں نے نہ صرف مذاق اڑایا بلکہ اس کو دلیل بنا کر یہاں تک کہنے لگے کہ ان مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ تو مکّہ کے مشرکین ہیں۔ یہود کے یہ تشددات بھی منجملہ ان اصر و اغلال کے تھے جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دور ہونے والے تھے چنانچہ تیمم کی اجازت نے طہارت کے باب میں اللہ کی نعمت کا اتمام فرمایا اور اس اتمام نعمت سے اس امت کو جو سہولتیں اور برکتیں حاصل ہوئیں ان پر ہر آن شکر واجب ہے۔

'وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ'

اب یہ اس اتمام نعمت کا حق بتایا ہے کہ اللہ نے اپنی آخری اور کامل شریعت تم پر نازل کر کے جو فضل و انعام فرمایا ہے اور تم کو جو عزت و سرفرازی بخشی ہے، یہود کی طرح اس کو بھول نہ جانا بلکہ اس کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ 'یاد رکھنا' اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ یعنی ظاہراً و باطناً ہر پہلو سے اس کا حق ادا کرنا۔ اس کے بعد

اس ذمہ داری کی نوعیت واضح فرما دی کہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ایک مضبوط میثاق کی حیثیت رکھتی ہے جو خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تم سے لیا ہے اور تم نے پیغمبر کے سامنے 'سمعنا واطعنا' کہہ کر اس میثاق کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ خدا نے تمہارے لیے دنیا و آخرت کی کامرانیوں کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ اسی میثاق پر منحصر ہیں۔ اگر تم نے اس کو توڑا تو اس کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔ اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات یاد رکھو کہ خدا دلوں کے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔

'يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ'

'كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ' تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ ٹکڑا سورہ نساء کی آیت ۲۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہ اسی میثاق کی اجتماعی ذمہ داری واضح کی گئی ہے کہ مسلمانوں پر بحیثیت امت مسلمہ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حق و عدل کے علم بردار بنیں جو اس آخری شریعت کی شکل میں ان کو عطا ہوا ہے۔ خود اپنے اندر اس کو قائم کریں اور اسی کی شہادت دنیا کے سامنے دیں۔

'وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ' یہ ٹکڑا اسی سورہ کی آیت ۲ میں گزر چکا ہے۔ یہ حق و عدل کی راہ کے سب سے بڑے فتنے سے آگاہ کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی اور اس کا غلط سے غلط رویہ بھی تمہیں اس حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شیطان نے راہ حق سے گمراہ کرنے میں سب سے زیادہ جس حربے سے کام لیا ہے وہ یہی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا حربہ ہے۔ یہود نے محض بنی اسمٰعیل اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس تمام عہد و پیمان کو خاک میں ملا دیا جس کے وہ گواہ اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ شیطان کے اس فتنے سے بچ کے رہیں۔ دوستوں اور دشمنوں دونوں کے لیے ان کے پاس بس ایک ہی باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔

'اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ' یہی عدل تقویٰ سے اقرب ہے یعنی تقویٰ جو تمام دین و شریعت کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے اس سے موافقت رکھنے والا طرز عمل یہی ہے کہ دشمن کی دشمنی کے باوجود اس کے ساتھ کوئی معاملہ عدل و حق سے ہٹ کر نہ کیا جائے۔ اس سے دین میں تقویٰ کا مقام واضح ہوا کہ تمام نیکیاں درحقیقت اسی کی جز ہیں۔ جڑ کی حیثیت اسی چیز کو حاصل ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (۹-۱۰)

یہ مذکورہ بالا میثاق پر عمل کرنے اور نہ کرنے دونوں کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اس میثاق پر قائم رہیں گے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جو اس کو توڑیں گے ان کے لیے جہنم ہے۔ اس سے ایک تو یہ بات نکلی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس میثاق کی ذمہ داری ڈالی ہے، اسی طرح اپنے اوپر بھی اس کے جواب میں ایک عہد کی ذمہ داری لی ہے۔ اس کا اظہار 'وعد اللّٰہ' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ یہ رب کریم کی کتنی بڑی بندہ نوازی ہے کہ وہ اپنی ہی پیدا کی ہوئی اور اپنی ہی پروردہ مخلوق کے ساتھ ایک معاہدے میں شریک ہوا اور جواب میں اپنی ذات پر بھی ایک عہد کی ذمہ داری اٹھائی۔ انسان کو یہ وہ شرف بخشا گیا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں دوسری بات یہ نکلی کہ ایمان و عمل صالح کی تعبیر ایک جامع تعبیر ہے جس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو پروردگار نے اپنی شریعت کی شکل میں ہمیں عطا فرمایا ہے اور جس کی پابندی کا ہم سے اقرار لیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۱)

اوپر آیت ۸ میں مسلمانوں سے ہر حالت میں حق و عدل پر قائم رہنے اور مخالفین کے علی الرغم اس کو نباہنے اور اس کی شہادت دینے کا جو عہد لیا ہے اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اب تمہیں مخالفوں کی مخالفت کی پروا نہیں کرنی ہے۔ اگر تم اس عہد پر جمے رہے تو خدا کی مدد و نصرت ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے دشمن تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بعینہٖ یہی مضمون 'فلا تخشوھم واخشون' میں گزر چکا ہے۔ اب یہ اسی بات کی تائید میں واقعاتی شہادت پیش کر دی ہے کہ دیکھو کہ ایک قوم نے اس راہ میں تمہاری مزاحمت کی کوشش کی لیکن وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ خدا نے اس کے ہاتھ باندھ دیے۔ اسی طرح اگر تم اپنے رب کے عہد و پیمان پر قائم رہے تو خدا ہر اس قوم کے مقابل میں تمہاری مدد فرمائے گا جو تمہارے مقابل میں سر اٹھائے گی۔ تم جب خدا پر ایمان لائے ہو تو تمہارے اس ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ تم اپنے رب پر بھروسہ کرو۔

اس آیت میں "قوم" سے اشارہ میرے نزدیک قریش کی طرف ہے۔ اوپر آیت ۲۔ اور آیت ۸ میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے۔ لفظ کی تنکیر تحقیر شان کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ متکلم کے پیش نظر ایک حقیقت کا بیان و اظہار ہے نہ کہ کسی خاص قوم کا۔ تاہم

اشارے کی حد تک۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا اس سے مراد قریش ہی ہیں۔ اس سورہ کے مطالب سے جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور کی سورت ہے جب مسلمان ایک سیاسی قوت بن چکے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے ساتویں سال تک ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ قریش متعدد آزمائیاں کرکے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور یہود بھی اپنی درپردہ سازشوں کی ناکامیوں کے نہایت تلخ تجربات کرکے ہمت ہار چکے تھے۔

۴۔ آگے کا مضمون آیات ۱۲-۱۴

یہود و نصاریٰ سے جو عہد لیا گیا تھا آگے اس کا ذکر فرمایا ہے اور اس عہد کو توڑ کر وہ جن نتائج سے دوچار ہوئے بالاجمال ان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مقصود اس سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ اب تم سے جو عہد لیا جا رہا ہے یہ بھی اسی نوعیت کا عہد ہے اور اگر تم نے بھی اس عہد کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو یہود و نصاریٰ نے کیا تو تمہارے سامنے بھی وہی نتیجہ آئے گا جو ان کے سامنے آیا ——— آیات کی تلاوت فرمائیے:-

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (۱۲-۱۴)

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب مامور کیے اور اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کا اہتمام رکھو گے زکوٰۃ دیتے رہو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ

کو قرض حسن دیتے رہو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پس جو اس کے بعد بھی تم میں سے کفر کرے گا تو وہ اصل شاہراہ سے بھٹک گیا۔ پس ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلام کو اس کے موقع و محل سے ہٹاتے ہیں اور جس چیز کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی اس کا ایک حصہ وہ بھلا بیٹھے اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہو گے بس تھوڑے سے ان میں سے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پس ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۲ - ۱۳

اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تو جس چیز کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی گئی وہ اس کا ایک حصہ بھلا بیٹھے تو ہم نے قیامت تک کے لیے ان کے درمیان عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں عنقریب اللہ اس سے ان کو آگاہ کرے گا۔ ۱۴

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ
اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (۱۲)

"نقیب" کے معنی ہیں کھوج لگانے والا، معاملات کی ٹوہ میں رہنے والا، لوگوں کے حالات کی جستجو کرنے والا۔ یہیں سے یہ قوم اور قبیلے کے سردار، نگران، ذمہ دار، افسر اور مانیٹر کے معنی میں استعمال ہوا اس لیے کہ نگرانوں اور مانیٹروں کا اصلی کام لوگوں کے حالات کی نگرانی اور ان کی محافظت ہی ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے شریعت کی پابندی اور اس کی حفاظت کا عہد لینے کے بعد بنی اسرائیل کے ہر قبیلے پر ایک ایک نقیب اس مقصد سے مقرر کیا کہ وہ لوگوں کی نگرانی رکھے کہ وہ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کریں اور کوئی ایسی چیز ان کے اندر گھسنے نہ پائے جو ان کو اللہ کے عہد سے روگرداں کرے۔ بنی اسرائیل کے قبیلے چونکہ بارہ تھے اس وجہ سے نقیب بھی

بارہ مقرر ہوئے۔ ان کا تقرر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کیا تھا اس وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

"وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ الایۃ" یہ اس عہد و میثاق کا بیان ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اس میں نماز کے اہتمام، زکوٰۃ کی ادائیگی، آئندہ آنے والے رسولوں پر ایمان اور ان کی تائید اور خدا کی راہ میں انفاق کا عہد لیا گیا ہے اور اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی معیت، ان کی عام لغزشوں سے درگزر اور ان کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

"وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ" ایک جامع تعبیر ہے خدا کی تائید و نصرت کے وعدے کی، ظاہر ہے کہ جن کے ساتھ خدا ہو ان کے ساتھ خدا کی پوری کائنات ہے۔

"لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح امت مسلمہ کے میثاق میں نماز اور زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے میثاق میں بھی ان کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ شریعت الٰہی میں ملت دین کے پہلو سے ان دونوں چیزوں کا جو درجہ ابتدا سے ہے، اس پر پوری تفصیل کے ساتھ تفسیر سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہم بحث کر چکے ہیں۔

"وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ" میں یوں تو بعد میں آنے والے تمام انبیاء کی طرف اشارہ ہے لیکن اس میں خاص اشارہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جن کا ذکر تورات میں نہایت نمایاں علامات کے ساتھ ہوا ہے۔ بقرہ میں بعض حوالے گزر چکے ہیں۔ اعراف میں اس پر مزید بحث آئے گی۔

"وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" میں جس انفاق کا ذکر ہے یہ زکوٰۃ کے مقررہ نصاب سے الگ ہے۔ اس سے مراد وہ انفاق ہے جو جہاد فی سبیل اللہ اور اس قسم کے کسی اور دینی و ملی و اجتماعی مقصد کے لیے کیا جائے۔ اس کو قرض سے تعبیر کرنے کی وجہ اور اس کے "قرض حسن" ہونے کے شرائط پر پوری تفصیل کے ساتھ ہم دوسرے مقام پر بحث کر چکے ہیں۔

"لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ" میں "سیئات" سے مراد لغزشیں اور کوتاہیاں ہیں۔ اگر دین کی بنیادی باتوں کا اہتمام کیا جائے تو بندے سے جو چھوٹی موٹی غلطیاں صادر ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ اس مسئلہ پر بھی بحث گزر چکی ہے۔

"فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الایۃ" یہ ٹکڑا بھی معاہدے کا جزو ہے۔ یعنی اس عہد اور اس عہد کی حفاظت کے اس اہتمام کے باوجود جس کا ذکر ہوا اگر کسی نے اس معاہدے سے انحراف اختیار کیا تو وہ خدا کی شاہراہ سے بھٹک گیا یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اس عہد سے انحراف کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن
مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا
مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾

یہود پر لعنت: ان کی قساوت اور ان کی تحریفات پر تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کر کے اس کو جس درجے کی عزت و سرفرازی بخشتا ہے، معاہدہ توڑ دینے کی صورت میں وہ اس کو اسی درجے کی ذلت کے ساتھ دھتکار بھی دیتا ہے۔ اس دھتکارنے کے لیے جامع تعبیر لعنت ہے۔ یعنی کسی کو راندۂ درگاہ قرار دے دینا۔ راندۂ درگاہ ہونے کا پہلا اثر جو اس قوم پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے خدا کی خشیت جو دل کی زندگی کی ضامن ہے، ختم ہو جاتی ہے اور دل پتھر ہو کر توبہ و انابت کی روئیدگی کے لیے بالکل بنجر ہو جاتا ہے۔ یہ حالت پیدا تو ہوتی ہے عہد شکن قوم کے اپنے عمل کے نتیجہ کے طور پر لیکن چونکہ واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مقررہ سنت کے مطابق اس وجہ سے اس کو منسوب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمایا ہے۔ یہ قساوت عہد شکن قوم کے اندر جسارت پیدا کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ میثاق الٰہی کی خلاف ورزی ہی پر بس نہیں کرتی بلکہ وہ اس معاہدے کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لیے اس کے الفاظ و کلمات کی تحریف بھی کرتی ہے۔ یہ تحریف یہود نے جن جن شکلوں میں کی ہے اس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

نَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ' اور وہ بھلا بیٹھے اس چیز کا ایک حصہ جس کے ذریعے سے ان کو یاددہانی کی گئی تھی۔ جس کے ذریعے سے یاددہانی کی گئی تھی سے مراد ہمارے نزدیک تورات ہے اس لیے کہ اسی کے اندر میثاق الٰہی کا سارا ریکارڈ محفوظ کیا گیا تھا اور وہ اسی لیے محفوظ کیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل اور ان کی آیندہ نسلوں کے لیے ایک قابل اعتماد یادداشت کا کام دے۔ لیکن جب وہ اس یادداشت ہی کا ایک حصہ بھلا بیٹھے تو اب ان کے پاس ایسی کیا چیز رہ گئی تھی جو ان کو یاددہانی کرا سکتی۔ گھر کا چراغ ہی ہوتا ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اگر اسی کو بجھا دیا جائے یا چھپا دیا جائے تو اب دوسری کون سی چیز اجالا کرے گی۔

یہ فراموش کر دینا قدرتی نتیجہ ہے تحریف اور اخفا کا۔ یہود تورات کی بعض چیزیں جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں، عام لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اسی طرح تورات کی جو پیشین گوئیاں ان کے منشا کے خلاف تھیں ان میں انہوں نے لفظی تحریفیں کر کے ان کا مفہوم بدل دیا۔ تاویل کے

ذریعے سے بھی انہوں نے حقایق کی قلب ماہیت کی۔ پھر تم بالائے ستم یہ ہوا کہ ان کے پاس اصل تورات کے بجائے صرف اس کے ترجمے رہ گئے اور یہ ترجمے بدلتے بدلتے اصل سے اتنے مختلف ہو گئے کہ یہ تمیز کرنا ناممکن ہو گیا کہ اس میں اصل بات کتنی ہے اور کتنی جامعین اور مترجمین کی حاشیہ آرائی ہے۔ اس طرح تورات کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے حاملین نے ضائع کر دیا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ۔ خائنۃ، کے معنی خیانت کے ہیں جس طرح لائمۃ کے معنی ملامت کے۔ خیانت، بدعہدی اور عہد شکنی کے لیے عربی میں نہایت معروف ہے۔ قرآن نے یہود کی بہت سی بدعہدیوں اور ان کی تحریفات سے پردہ اٹھایا ہے جن کی تفصیل پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے اور آگے ان کی مزید مثالیں آ رہی ہیں۔ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان کی صرف انہی تحریفات سے تعرض کیا ہے جن سے تعرض تجدید شریعت کے نقطۂ نظر سے ضروری تھا جن سے تعرض ضروری نہیں تھا ان کو نظر انداز کر دیا ہے اور ان کی مقدار بھی کم نہیں ہے بہت زیادہ ہے چنانچہ آگے آیت ۱۵ میں ارشاد ہے۔ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (اور وہ تمہارے لیے ظاہر کر رہا ہے بہت سی وہ چیزیں تورات کی جن کو تم چھپاتے تھے اور بہت سی چیزیں نظر انداز کر رہا ہے)

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ۔ سے یہود کے اس مختصر گروہ کی طرف اشارہ ہے جو نقض عہد اور اس کے مذکورہ بالا نتائج سے محفوظ رہا۔ اگرچہ یہ گروہ نہ تو اپنی قوم کو فتنوں سے بچا سکا نہ تورات کو شریروں کی دستبرد سے، تاہم یہ لوگ اپنے علم کی حد تک اصل شریعت پر قائم اور اس کی گواہی دیتے رہے۔ صالحین کا یہی گروہ ہے جس نے اسلام کا بھی خیر مقدم کیا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ، میں عفو و صفح سے مراد دل سے معاف کرنا نہیں بلکہ مجرد درگزر کرنا ہے عفو کے اس معنی کے لیے نظیر آیت ۱۵ کے اس ٹکڑے میں بھی ہے جو اوپر ہم نے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی ان کو نظر انداز کرو اور مہلت دو۔ ان سے نمٹنے کا زمانہ آگے آئے گا۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ
فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا
كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

یہود کے نقض عہد کے بعد اب یہ نصاریٰ کے نقض عہد کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے ذکر کی تمہید بھی اسی انداز سے اٹھائی ہے جس سے مترشح ہو رہا ہے کہ یہ نصاریٰ قرآن کے نزدیک نصاریٰ

نہیں ہیں بلکہ صرف نصاریٰ ہونے کے مدعی ہیں۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ پال کے متبعین کو نفس یہ کہ اصل نصرانیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو اپنا نام بھی بدل لیا۔ البقرہ میں، نصاریٰ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ مزید بحث اسی سورہ کی آیات ۸۲-۸۵ کے تحت آرہی ہے۔

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ، یہ نتیجہ بیان ہوا ہے کتاب الٰہی میں تحریف اور اس کے ایک حصے کو ضائع کر دینے کا۔ ملت کی شیرازہ بندی اللہ کے میثاق اور اس کی کتاب ہی سے ہوتی ہے۔ اگر اسی میں فساد و اختلال پیدا ہو جائے تو پھر ملت کو فساد و اختلال اور خون خرابے سے کیا چیز بچا سکتی ہے۔ یہ صورت حال عہد شکنی کا قدرتی نتیجہ بھی ہے اور اس جرم کی سزا بھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ نصاریٰ کے لیے اس سے نجات کی واحد شکل یہ تھی کہ قرآن کی رہنمائی میں ان تاریکیوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی اور امن و سلامتی کی شاہراہ پر آجاتے لیکن ان کے تعصب نے ان کو یہ سیدھی راہ اختیار نہ کرنے دی۔ اب نہ کوئی کتاب آنی ہے اور نہ کوئی رسول، اس وجہ سے ان کے اس جنگ و جدل سے نکلنے کا اب قیامت تک کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ، یہ دھمکی ہے۔ یعنی عنقریب وہ وقت آئے گا جب اللہ ان کی یہ تمام کارستانیاں ان کے سامنے رکھ دے گا۔ اور وہ اپنی ان تمام شرارتوں کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

یہ ملحوظ ہے کہ نقض عہد کی یہ تاریخ مسلمانوں کو محض ماضی کی ایک سرگزشت کی حیثیت سے نہیں سنائی جارہی ہے بلکہ اس لیے سنائی جارہی ہے کہ مسلمان اس سے سبق لیں اور یاد رکھیں کہ اگر انہوں نے بھی اپنے میثاق کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو یہود و نصاریٰ نے کیا تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو یہود و نصاریٰ کا ہوا۔

روزنامہ
وفاق
ایڈیٹر: مصطفیٰ صادق
ان گھرانوں کا پسندیدہ اخبار ہے جو اپنے افراد خاندان کو مطالعہ کا شائستہ مواد مہیا کرنا چاہتے ہیں
آپ بھی "وفاق" کا مطالعہ فرمائیے۔ قیمت فی پرچہ ۱۲ پیسے، سالانہ چندہ ۳۵ روپے
"وفاق" لاہور، سرگودھا اور رحیم یار خاں سے شائع ہوتا ہے۔ جنرل منیجر روزنامہ وفاق ۱۱ میکلوڈ روڈ لاہور

ادارۂ تعمیر خودی سیالکوٹ

ذات پات کی تمیز کا سدِباب

اور علامہ اقبالؒ

> ادارۂ تعمیر خودی نے یہ کتابچہ معاشرہ کو ذات پات کی تمیز کے تباہ کن اثرات سے بچانے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے تبلیغی حیثیت سے شائع کیا ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اسے شائع کیا جارہا ہے۔

ہر حساس اور ذی شعور شخص ذات پات کی تمیز کے مفاسد سے بخوبی واقف اور متاثر ہے۔ اس کا نام سرفہرست ہی نہیں بلکہ اس سے صدہا برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ اس لیے اسے اُم الخبائث و برائیوں کی ماں، کہنا بھی بجا ہے۔ مفکر اعظم علامہ اقبالؒ نے اسے دور حاضرہ کا بت اور بنی نوع انسان کے لیے ہلاکت خیز قرار دیا ہے۔ اس نے ملک کو اندرونی طور پر دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک طبقہ اپنی ذات (نسب) پر نازاں ہے اور تکبر کا شکار ہے تو دوسرا طبقہ احساس کمتری میں مبتلا ہے۔ نیز اس کی موجودہ صورت قرآن حکیم کی تعلیم کے بھی سخت منافی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس سے حکومت پوری طرح متاثر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حکومت کی تشکیل میں بی ڈی ممبر سے لے کر صدارت تک کے انتخابات میں پوری طرح دخیل ہے۔ بھلا ایسی صورت میں ہمیں صالح قیادت کیسے میسر آسکتی ہے۔ میرے ناقص خیال میں ایسی صورت میں ایک وارڈ یا محلہ کو صحیح بی ڈی ممبر بھی میسر آنا محال ہے بظاہر اس کے اثرات کم ہوتے دکھائی دیتے ہیں لیکن اندرونی طور پر اس سلسلہ میں زیادہ تعصب پیدا ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر اس کا سدباب نہایت ضروری ہے۔

یہی فتنہ تھا جس نے اسلام کو اندرونی طور پر نقصان پہنچایا اور جس سے بچنے کے لیے نبی کریم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں خصوصی تاکید فرمائی تھی۔ لیکن افسوس ہم نے اسے ملحوظ نہ رکھا۔ اور اس بت نے قومی طور پر راہ پاکر ملت مسلمہ کو رُو بہ تنزل کر دیا۔

علامہ اقبالؒ نے جو ملت کا انتہائی درد رکھتے تھے۔ اس کے اثرات کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور تمام زندگی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی سربلندی کے لیے اس کے سدباب میں کوشاں رہے۔ مثلاً:

آپ نے ہماری ترقی میں رکاوٹ کا باعث بھی اسی کو گردانا

؎ فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں! کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اور ذات پات کی تمیز کے بجائے صحیح مسلمانی اختیار کرنے پر زور دیا

؎ یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو۔

یہی نہیں بلکہ نسلی امتیاز کرنے والوں کو اس کے ہلاکت خیز نتیجہ سے بھی متنبہ کیا:۔

؎ جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

نیز واشگاف الفاظ میں ہر قسم کی ترقی کے لیے پہلے اس کے سدباب پر زور دیا:۔

؎ غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

الغرض اپنے پیام کے ذریعہ مختلف طریقوں سے اسے دور کرنے کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر عیاں طور پر اس کے پورے پورے سدباب کے لیے حسب ذیل عملی طریقہ ارشاد فرمایا:۔

؎ تو اے کودک منش خود را ادب کن مسلماں زادۂ، ترکِ نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست عرب نازد اگر ترکِ عرب کن

یعنی — اے نادان! اپنی شخصیت کی حفاظت کر۔ تو مسلمان زادہ ہے اس لیے ذات پات کو چھوڑ دے بلکہ اگر رنگ و نسل، اور ذات پات پر کوئی فخر کرے۔ تو اسے بھی چھوڑ دے۔ اگرچہ عرب ہی کیوں نہ ہو۔

آپ نے صرف ارشاد فرمانے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ملتِ مسلمہ کے نمائندہ کی حیثیت سے اس کا اعلان بھی فرمایا:۔

؎ نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

یعنی — نہ ہم افغان ہیں اور نہ ترک و تتار ہیں۔ بلکہ ہم "چمن زاد" ہیں اور ایک ہی شاخ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم پر ذات پات اور رنگ و نسل کی تمیز حرام ہے کیونکہ ہم ایک ہی (بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

مقالات

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں
غیر اسلامی تصوّف کی اشاعت کے اسباب

(۳)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے سلسلے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انھوں نے کتبِ تصوف میں کی ہیں۔ اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشان دہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف "جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری" سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلام میں فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہمنوا بن جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہلِ ایران حنفی تھے یا شافعی تھے طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعۂ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسماعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک، تمام صوفیہ حنفی تھے۔

مولف "مجالس المومنین" نے جو شیعۂ تراشی میں مشہور ہے۔ عطار کو شیعہ ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے، اور دلیل میں وہ اشعار پیش کیے ہیں جو انہوں نے علی ابن طالب کی منقبت میں لکھے ہیں، حالانکہ انہوں نے "ہر چہار یار" کی مدح کی ہے۔ اور دونوں گروہوں کے تعصب کا سدّ کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لیے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے ، تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدح خلفا کو حذف کر دیا گیا ہے مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرار نامہ میں مرقوم ہے :۔

پسر صدق را نخبۂ شیعہ انور امیر المومنین صدیق اکبر
شریعت را ختین قرۃ العین رفیق مصطفیٰ و ثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے :۔

سوار دین لپسر عم پیمبر شجاع شرع و صاحب حوض کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے :۔

خصوص آں وارث دین پیمبر چراغ شرع و صاحب حوض کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں :۔

تا نبی صدیق را محرم گرفت صبح صادق جملۂ عالم گرفت
مردہ ای کو می رود بر روئے خاک ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۲۲ اشعار ہیں۔ مدح عثمانی میں ۲۱ اشعار ہیں لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے [1]

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطار سلسلۂ کبرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)۔

"عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں :۔ خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ

[1] حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

میں طہران سے شائع ہوئی تھی لیکن اس کتاب کے مصنف نے اکثر مقامات پر ۔ اظہار تشیع کیا ہے۔ اس لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے۔ تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے اس کا نام سی فصل ہے "گوئندۂ ایں کتاب ہم شیعہ بودہ" اس کتاب کے اس شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے :۔

بجوہر ذات گفتم ایں معانی تو می باید کہ ایں معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ اشعار منسلک ہیں :۔

شیعہ پاک است عطار اے پسر جنس ایں شیعہ بجان خود بخر
ماز فاروق الحیا برگشتہ ایم پے ز نورین شما ببریدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے :۔

"در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بودہ است جعلی ، در قرن نہم کہ خود را فرید الدین عطار می خواند و در مشہدی زیستہ و چندیں کتب سست و بے مغز مانند اشتر نامہ، بلبل نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، خیاط نامہ، کنز الاسرار، لسان الغیب، مظہر العجائب، ساختہ کہ ہیچ وجہ از فرید الدین عطار نیشاپوری نیست " ص ۱۶۲

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گذرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جس سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری رح اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے :۔

محمد را شناس ایں جا خدا تو وگرنہ او فتی اندر بلا تو
علی با مصطفیٰ ہر دو خدا ہیند کہ دم دم راز ہر جا می کشایند

شعروں کے اس مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا لکھنے والا عبداللہ ابن سبا کا مخلص پیرو تھا اور طائفۂ ضالّہ باطنیہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ :۔

(۱) قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط کر دیا کہ عوام

[1] حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

کے لیے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

(۲) تصوف کے نام سے عامۃ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی اور اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آجاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوح دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر — سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

کل ما فی الکون وہم او خیال — او عکوس فی المرایا او ظلال

(۳) اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

(۴) مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا۔ یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

(۵) تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لیے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لیے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی، مصوری، خطاطی، سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہو گئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس کی راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہو جانے کے ساتھ ساتھ مسلوب العقل بھی ہو جانا چاہیے۔ اسی عقل و فہم سے بیگانہ ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلاف شرع اور خلاف عقل باتیں دشمنان اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہو گئی ہیں، کوئی شخص نہ ان کی تنقید و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلید کورانہ یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا ہے۔

۱؎ محکومی و تقلید و زوال تحقیق۔

گذشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گذریں، اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایتیں موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً۔ بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنان اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کر دیے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے ۱؎ اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں۔

(۱) **حدیقۃ الحقیقۃ مصنفہ حکیم سنائی غزنویؒ** فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گذری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمہ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:-

"سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا (صکا) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں، دوستی آل علیؓ میں غلو کے علاوہ آل ابو سفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لیے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتاب گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنی نے اسے قید کر دیا (صل) زمانہ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں "تحریفات و تصرفات فراواں" ہو چکی ہے۔ (صلب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں، بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (صلب)" اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے جنہیں موافقت ہو اور یہ اختلاف کہیں اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے (صلط) قلمی نسخہ موسومہ … میں مناقب امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب و اولادہ الحسنؓ و الحسینؓ کا اضافہ کیا گیا ہے (صہ۵) قلمی نسخہ موسومہ … اور بعض دیگر نسخوں میں نعل … "موجود نہیں ہے"

۱؎ سیرۃ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم صـ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:-
"بعض شیعی مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لیے نکلیں (۱/۲)۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں، جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گذری ہے لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا گیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں"
میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں (باقی اگلے صفحہ پر)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشاندہی کی ہے جنہیں بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ایضاح مقصد کے لیے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علیؓ و اولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک باعث تنقیح اور موجب لومتہ لائم بنا دیا یعنی ایک تیر سے تین شکار کیے۔ اس تدسیس و تحریف و حذف و اضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ہم قطعیت کیساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسی کے [1] حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

"چونکہ ہندوستان میں "دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد" اس لیے نواب محمد عزیز کوکلتاش الملقب بخان اعظم نے ۱۰۰۰ھ میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۴۷ھ میں اس پر حواشی لکھے"
(ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشہور معاند اسلام پروفیسر آر۔ اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادہ کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرف آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہو سکی [1]۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

آمدم برسر مطلب:- سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کے بعد حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا کہ وہ

(بقیہ حاشیہ) کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنان اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابۂ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ہٰذہ الخرافات۔

اہل سنت میں سے تھا لیکن جب وہ حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروان ابن سبا کا لب و لہجہ اور انداز بیان اختیار کر لیتا ہے، نیز ان تمام روایات کو آب و تاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین نے انہیں رد کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کیے دیتا ہوں

صہ ۲۷۱، صہ ۲۷۳، صہ ۲۷۶ تا صہ ۲۹۹ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۶ء

لیکن بطور نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں:

عنوان حرب جمل کے تحت، نولکشوری اور ایرانی دونوں نسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:-

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت — خونِ ناحق بسے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانب بغداد — گشتہ از فعلِ زشتِ خود ناشاد
سرِ احرار حیدرؓ کرار — سرفراز از مہاجر و انصار
چوں مصاف معاویہؓ شکست — یافت بر لشکر معاویہؓ دست
جملِ آں ستیزہ رائے کرد — برگ و سازِ معاویہؓ نے کرد
ہودجِ زن بخاک تیرہ فتاد — وز خجالت نقاب بر رخ نکشاد
گفت بدکردہ ام امانم دہ — در ترحم کنوں زمانم دہ
خواند حیدرؓ برادرش را زود — جملہ احوال با عدوا بنمود
رفت وقتے محمد بوبکرؓ — آں ہمہ صدق و فارغ از ہر مکر
پس بہ آمیخت تیغ تا بزند — گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عذر کن تا بسوئے خانہ رود — بعد ازیں کارہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد — در تواضع محقق او نہ نہاد
با ہزاراں خجالت و تشویر — رفت زی مکہ جفتِ گرم و زحیر

[1] (پچھلے صفحے کا حاشیہ) میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں، تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بیگانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے نا آشنا ہو چکے ہیں۔

عاقبت ہم بدست آں باغی — شد شہید و بکشتش آں طاغی
آنکہ باعفت مصطفیٰ زمیناں — بد کنند، مرد را برد مخواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد — قصد جان امیر حیدر کرد
پسر ہند اگر بد و بد کرد — آں بدی داں کہ جد با خود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کیے ہیں۔ انتہائی مجبوری میں کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ پیروان عبد اللہ ابن سبا نے ——— جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تاکہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے ——— تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرور ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہے کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہدے تو تمام سُنّی مسلمان، اس کو سنگسار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعار آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں۔ اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں کتنے لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لیے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور چونکہ ان اشعار کو متن کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے، اس لیے آب زمزم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبد اللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:-

"پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا بآں ناطق است، ثابت و محقق شد کہ ایں داستان و متعلق بہا دریں کتاب الحاقی است و از حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب" (حاشیہ حدیقہ)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے یعنی جاہل ہے ان اشعار سے عیاں ہے:

(۱) ع در جمل چوں معاویہ گبر بخت۔ تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ع پس برآ یخت تیغ تا بزند۔ کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۳) ع شد شہید و بکشتش آں طاغی۔ کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ام المومنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے ان اشعار میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی شان اقدس میں جو تبرا خرافی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہؓ بفحوائے کلام اللہ سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو درکنار، انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں ان کا جی چاہے سنائی کو دائرہ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذات خود ان اشعار کو الحاقی یقینی کرتا ہوں۔

(۲) منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں ص ۹۰ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:-

"سنہ ۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی، اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا، رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا، وہ اپنی تقریروں میں سُنّی علما کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابو حنیفہؒ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔

جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ھ کو جمعہ کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔"

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے اس لیے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس لیے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قرمطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اپنی تصنیف "اخبار الاخیار" میں جو اس واقعہ کے چار سو برس بعد لکھی گئی، یہ لکھا ہے کہ:-

"اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب و ذم

آتی ہے مگر فوائد الفواد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ "از آب آسمان پاکیزہ تر بود"۔

فوائد الفواد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ نقرہ الحاقی ہے۔ کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظات شیخ میں اضافہ کر کے اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہرحال لائق تسلیم ہے۔ ملفوظات بہرحال ملفوظات ہی ہیں انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا۔ اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے اس لیے ثابت ہوا کہ وہ آب آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اول تا آخر لائق اعتماد ہیں ہرگز صحیح نہیں ہے میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقعہ پر درج کی جائیں گی:-

سلطان المشائخؒ نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا اس کے صفحہ ۹ پر یہ ملفوظ درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش و حواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

"ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با جمیع صحابۂ کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گذرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا سبحان اللہ! ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا۔ یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجاست؟ جواب دیا: یا علی یہ یزید بدبخت وہ ہے جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا: یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہوئے کہ اے علی الساعت کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟ .... (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا میں زندہ ہوں گا؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہؓ ہوگی؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کریگا؟ جواب دیا میرے امتی۔ اس کے بعد علیؓ اور رسول خدا صلعم دونوں روئے اور شہزادوں کو

سینے سے لگا کر آواز بلند کہا کہ اے غریبو ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔"

(انتہی بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے؟ سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ اولیا۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے اس خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اول تا آخر کذب و افترا و بہتان ہے کیونکہ:-

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بلا شک و شبہ ۱۱ھ میں ہو گئی تھی۔

ب۔ امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس شخص کو دوزخی یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ "پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا مغفور ہے"۔

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپؐ نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی۔ اس لیے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنیے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزیدؒ نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لیے باشتیاق تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور صلعم نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہ کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی اسی شخص کی اقتدا میں نمازیں پڑھی تھیں جسے مسلمان کہلانے والے دوزخی سمجھتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضورؐ مغفور قرار دیں، آپؐ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں جھجکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی، میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگان دین سے منسوب ہیں وہ کلیتہً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جعلی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

(۳) سنائیؒ عطارؒ اور رومیؒ کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے[1] جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے، جامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں۔ یہ سلسلہ افضل الصحابہ، بلکہ

[1] در دلہائے بستہ را کشاید ⁂ دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (اقبال)

افضل البشر بعد الانبیاء، وارث کمالات نبوت، متمکن ذروۂ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر، خلیفۂ رسول بلا فصل، امیر المومنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولٰنا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامی نے سب سے پہلے مولٰنا سعد الدین کاشغری نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین ملقب بخواجۂ احرار م ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنّت میں شمار کیا ہے انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدح کی ہے۔ مثلاً:۔

یکے ثانی اثنین در کنج غار ۔۔۔ کہ چوں مار شد ناوک جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدل اوست ۔۔۔ گزیں گونہ دنیا و دیں سرخ روست
سوم آنکہ شرم گیتی کہ شد بے قصور ۔۔۔ ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر دریا نثار ۔۔۔ علم او کرم ابرق او ذو الفقار

(مثنوی خرد نامۂ اسکندری)

در میان ہمہ بود حقیق ۔۔۔ بخلافت کسے بہ از صدیق
وز پے او نبود از اں احرار ۔۔۔ کس چو فاروق رضی اللہ عنہ لائق ایں کار
بعد فاروق جز بذی النورین رضی اللہ عنہ ۔۔۔ کار ملت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا ۔۔۔ اسد اللہ رضی اللہ عنہ خاتم الخلفا
لعن کز رافضی شود واقع ۔۔۔ شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانہ دیں ۔۔۔ واں چار چراغ بزم تمکیں
ہر یک بخلافت سزاوار ۔۔۔ ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی ہمہ راست ۔۔۔ بیگانگی از فضول ما خاست

(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:۔
"ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں، ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے

ہیں یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان اور قلم سے اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے"۔

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن عبد العال ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

"میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا۔ میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہونچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لیے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آ نکلا، اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرا سنانا شروع کیا جامی پر رقت طاری ہو گئی اور سربسجود ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا، قلندر کو پاس بلایا، اور بہت انعام دیا اس کے بعد مجھ سے پوچھا "تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟" میں نے کہا اس کا سبب آشکارا تھا کیونکہ علی خلیفۂ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے۔

یہ سن کر جامی نے کہا "علی خلیفۂ چہارم نہیں ہیں بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں اور چونکہ ہمارے درمیان مودّت پیدا ہو چکی ہے اس لیے میں تمہیں بتا دوں کہ میں شیعانِ خلص امامیہ میں سے ہوں لیکن تقیہ کرنا واجب ہے"۔

نیز بعض از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ وہ کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے لیکن مولٰنا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے"۔

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیات جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ: "جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابو طالب کو کافر قرار دیا ہے"۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سُنّی تھے مگر آخر عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار دہاشم رضی) لکھتا ہے کہ: "یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ "خرد نامہ اسکندری" آخر عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے"۔ یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۶ پر پھر لکھتا ہے کہ چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لیے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے"۔

خلاصہ کلام یہ کہ جامی کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کیے گئے ہیں:۔
(۱) بعض انہیں سُنّی کہتے ہیں اور سُنّی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا فیصلہ یہ ہے کہ شروع میں سُنّی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے:۔

بود بوطالب آں تہی ز طلب — مر نبیؐ را عم و علیؓ را اب
خویش و نزدیک بود با ایشاں — نسبت دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سودے نداشت آں نسبش — شد مقر در سقر چو بولہبش!

انہی اشعار کی پاداش میں "بقول مقدمہ نگار، "شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت" صہ ۱۹۳۔

اس کے باوجود اسباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیات جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (صہ ۸۶ تا صہ ۹۶ و صہ ۱۹۱ تا صہ ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنان صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا اور اس طرح انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سُنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور آج اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات

بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سُنّی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تاکہ عوام بھی اپنے پیشوا کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

(۴) رومیؒ کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی لیکن ان کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومی ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے اس میں صہ ۹۹ پر یہ روایت رومی سے منسوب ہے پڑھیے اور سر دُھنیے:۔

"در نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ بہ بانگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔" یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: "یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہو گا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔" لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا وہ اپنے گھر چلے گئے چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا!"

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

(ا) اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیبیاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کر لیا۔ سُبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے۔

(ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے۔ یعنی رسول اللہ مومنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زناکار تھیں۔

(د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔

(۵) رومیؒ اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سر و پا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے کیونکہ نہ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیا اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کورانہ کا جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی، وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے۔ ع

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں انہوں نے تین وصل قائم کیے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سر مو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لیے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:-

"حضرت شیخؒ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لیے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی شیخ ابو الطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے

ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں "ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے"

اس کے بعد لکھتے ہیں: "اس فرقۂ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے:-

"کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔"

"پھر لکھتے ہیں کہ زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کیے تھے، پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی، اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔"

تاریخ اسلامی کے دورِ فتن کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کیلئے

مندرجہ ذیل کتب پڑھیے

۱- وفات سرورِ کائنات صلعم	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱٫۴۰ روپے
۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ	سلام اللہ صدیقی جونپوری	۱٫۰۰ "
۳- حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ	" " "	۱٫۳۰ "
۴- حضرت عمرو بن العاص رضؓ	" " "	۲٫۹۰ "
۵- تاجدارِ مدینہؐ کی شہزادیاں	" " "	۱٫۱۵ "
۶- اہل بیت اور اہل سنت	محمد سراج مچھلی شہری	۱٫۱۵ "
۷- اسلامی حکومت کے نقش و نگار	مولانا ظفیر الدین مفتاحی	۲٫۰۰ "
۸- تحفۂ کربلا	محمد احمد الٰہ آبادی	۴٫۰۰ "
۹- سکینہ بنت حسین رضؓ	طیب بیگم صاحبہ	۰٫۷۵ "
۱۰- مولانا مودودی اور سیدنا عثمان غنی رضؓ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۲٫۳۰ "

دار الاشاعت الاسلامیہ امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور ۔ فون نمبر ۶۹۵۲۲

کن عالماً او متعلماً او سامعاً ولا تکن رابعاً

(عالم، متعلم یا سامع تینوں میں سے ایک ضرور بنو)

لاہور میں مطالعۂ قرآن کی دو ہفتہ وار نشستیں

مرکزی حلقہ تدبر قرآن

کی ہفت روزہ نشست ہر اتوار کو ۲½ بجے بعد دوپہر تا ۵ بجے شام

بمکان: ڈاکٹر اسرار احمد، امرت روڈ، کرشن نگر، مولانا امین احسن اصلاحی درس قرآن وحدیث دیتے ہیں۔

☆ قرآن مجید میں تیسواں پارہ اور حدیث میں ریاض الصالحین زیر درس ہیں

حلقۂ مطالعۂ قرآن سمن آباد

کی ہفت روزہ نشست ہر اتوار کو ۸ بجے سے ۹ بجے صبح

بمکان: حاجی نثار احمد صاحب ۱۱/۲/۱۰ اے، سمن آباد۔ ڈاکٹر اسرار احمد درس قرآن دیتے ہیں

اس نشست میں خواتین کے لیے پردے کا انتظام بھی ہے | شرکت کی عام دعوت ہے

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

دعوت دین اور اس کا طریق کار صفحات ۲۱۲، قیمت ۵/۷۵ — تزکیۂ نفس صفحات ۳۴۴، قیمت ۶/- روپے

اسلامی قانون کی تدوین صفحات ۱۹۰، قیمت ۴ روپے، سستا ایڈیشن ۲ روپے — عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ صفحات ۱۲۰، قیمت: ۲/۲۵ روپے

دار الاشاعت الاسلامیہ، امرت روڈ کرشن نگر لاہور ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبر قرآن

جلد اول

مشتمل بر

مقدمہ وتفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ و سورۃ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصول ڈاک: ایک روپیہ پچھتر پیسے)

(اکتیس روپے پچھتر پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے نمونہ کے طور پر طلب کرنے کے لئے صرف پچاس پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

بڑا سائز۔ صفحات ۴۸۔ ہدیہ ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور نمبر ۱ فون نمبر 69522